جلد نمبر 16

تعلیمات قرآن و سنت اور ثقافت اسلامیہ

16/1

الحق

سرپرست حضرت مولانا عبدالحق صاحب

مطبوعات مؤتمر المصنفین

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور پاکستان

اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر۔ دارالعلوم : ۴ — فون نمبر۔ ہاسٹل : ۲

ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۱۶
شمارہ نمبر : ۱

محرم الحرام ۔ ۱۴۰۱ھ
اکتوبر ۔ نومبر ۱۹۸۰ء

مدیر ——— سمیع الحق

بدل اشتراک :۔ پاکستان میں سالانہ -/۲۵ روپے فی پرچہ ۲/۵۰ روپے بیرون ملک بحری ڈاک ۳ پونڈ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

نقشِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام صدق وصفا زعیم جہاد وعزیمت

مولانا مفتی محمودؒ

رفتم و از رفتنم یک عالمے تاریک شد　　من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

واویلاہ - وامصیبتاہ - حیف صد حیف ۔ ۱۴ ذی الحجہ کو چودھویں صدی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ آخر شب اپنے ساتھ علم وعمل اور جہاد وسیاست کا ایک ایسا تابندہ ودرخشندہ ستارہ بھی لیکر رخصت ہوا جو ایک عرصہ سے ہر نازک بحرانی اور ظلماتی لمحات میں ہدایت ورہنمائی کا پیغام اور مینار رشد وہدایت بن جاتا تھا ظلم وعدوان سے برسرپیکار قوتوں کے لئے اس کا وجود مرکز ثقل اور اسلام وشریعت کی بالادستی سے سرشار طاقتوں کے لئے اسکی ذات سنگ میل رہتی جو علمی ودینی قومی وملی کاموں کیلئے ایک قطب الرحیٰ بن گئے تھے اور جو پاکستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں ملکی اتحاد ویکجہتی کی علامت اور یکتا ومنفرد قدر مشترک بن چکے تھے اور جس نے اپنے وجود اور دلآویز شخصیت کی شکل میں دین وسیاست کا ایک ایسا حسین امتزاج پیش کیا جس نے عملاً دین وسیاست کی دوئی کو مٹا کر رکھ دیا۔ اور جس نے اپنی متنوع اور جامع شخصیت کی صورت میں یہ ثابت کر دکھایا کہ قدیم علوم وفنون اور اسلامی مدارس کا ایک فارغ التحصیل مولوی عصر حاضر کے نہایت عیارانہ اور شاطرانہ جمہوری ماحول مغرب کی میکیاولی سیاست کی فضا میں کس ہوشمندی تدبّر وبصیرت ، وقار ومتانت اور دیانت وامانت کے اصولوں اور مومنانہ صفات کو سینہ سے لگاتے ہوئے بھی قائدانہ اہلیت وصلاحیت کے ساتھ ماحول پر غالب آسکتے ہیں۔

علماء جنہیں معاشرہ کا عضو معطّل ملائے مسجد ومکتب اور "دو رکعت کا امام" سمجھا اور بنایا گیا تھا۔ اور آج اسے ملکی سیاست اور قومی معاملات کا ایک اہم ترین عنصر سمجھا جا رہا ہے ۔ اور کوئی چاہے یا نہ چاہے علماء کرام کی اہلیت اور صلاحیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ اس کا دائرۂ عمل مسجد وخانقاہ سے پھیل کر ایوان حکومت اسمبلی اور ہر سیاسی قومی پلیٹ فارم تک وسیع ہو گیا ہے۔ تو اس انقلاب احوال میں حضرت مفتی محمود صاحب قدس سرہ العزیز کے طویل اور صبر آزما ہمہ پہلو جہاد اور جدوجہد اور روشن وتابناک کردار کا بھی بنیادی دخل ہے ۔ اس مخلصانہ اور بے لوث جدوجہد نے مروجہ سیاست کے اطوار وانداز بدل دیئے اور ایک نئی نیو رکھ دی۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے ایسی بے بہا اور بے حد وحساب صلاحیتیں جمع فرما دی تھیں کہ

جس نے واقعی انہیں اس عہد کی تاریخ ساز شخصیت بنا کر رکھ دیا تھا جنہیں دیکھ کر کسی نے سچ کہا ہے کہ آپ کی وفات حقیقت میں صدی کی موت ہے۔

وسیع النظر عالم فقیہ النفس **مفتی** روشن دماغ اور روشن ضمیر رہنما ہمت و استقامت کے کوہ گراں جرأت و شجاعت کا سد آہنی، کسی موقف پر ڈٹ جاتے اور پرائے تو کیا اپنوں نے بھی کبھی ہزار اختلاف رائے ظاہر کیا مگر آپ کی سختی اور استقامت کو ذرا بھر جنبش نہ ہوتی اور وہ گرد و پیش سے متاثر ہوئے بغیر اپنا سفر جاری رکھتے۔ اس کے ساتھ وسعت ظرف اور وسیع المشربی اور نرمی مزاج معاملہ فہمی اور عاقبت اندیشی ایسی کہ مختلف الخیال اور مختلف متضاد مکاتب فکر کو ساتھ لیکر چلتے اور منزل مقصود تک پہنچ کر دم لیتے وہ برصغیر کی سب سے بڑی زور دار اور ہمہ گیر تحریک نفاذ اسلام کے ہیرو اور قافلہ سالار تھے۔ اس وقت کروڑوں انسانوں نے علماء سیاستدانوں نے انکی قیادت و زعامت پر اعتماد کیا وہ بلندیٔ نگاہ، دلنوازیٔ گفتار اور جان پرسوز کا متاع سفر لیکر میر کارواں کی صفات پر پورے اترے وہ چودھویں صدی کے اس قافلۂ صدق و صفا اور کاروان جہاد و عزیمت کے آخری جرنیل تھے جسے شاہ ولی اللہؒ اور سید احمد شہیدؒ نے ترتیب دیا اور جس کو حافظ ضامن شہید، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے مضبوط اور مستحکم کیا۔ اور جس کے سالاروں میں حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ شامل تھے۔
اس جماعت حقہ کے شخصیات کو برقرار رکھنے اور اس قافلۂ تسلیم و رضا کے جہاد و عزیمت علم و عمل، استقامت و ایثار اخلاص و قربانی کی امانتیں حضرت مفتی صاحب نے چودھویں صدی کے اختتام پر پندرھویں صدی کی دہلیز تک پہنچا دیں۔ تاکہ نئی صدی میں اپنے قابل فخر اسلاف کے مشن پر چلنے والوں کیلئے یہ چیزیں متاع عمل اور سرمایۂ نجات بنی رہیں۔ انکی ہمہ گیر اور جامع شخصیت نئی صدی میں دعوت عمل کا کام دیتی رہے گی۔ اس ہمہ گیر محبوب و دلآویز شخصیت جس کی صحبتوں اور مجلسوں خلوت و جلوت اور سفر و حضر کی رفاقتوں اور کفش برداریوں کا اس عمزدہ کو ایک طویل موقع اللہ تعالےٰ نے دیا اور جو کبھی کبھی شفقت و محبت کی وجہ سے ع کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ۔ کا مصداق بھی بن جاتا تھا۔ اس کا یکایک دنیا سے اٹھ جانا، اللہ اکبر — وقعت الواقعۃ — قیامت صغریٰ سے کسی طرح کم نہیں۔ ایسے میں قلم و قرطاس اور ذہن و دماغ ماؤف و مفلوج ہو کر بیانِ جذبات اور اظہار احساسات سے اعتراف عجز کر دیں تو کیا تعجب ہو۔ آج ڈیڑھ ماہ اس سانحۂ ہائلہ کو گذرا ہے۔ مگر قلم نے اپنے آپ کو اتنا عاجز و درماندہ کبھی نہ سمجھا تھا اور یہی عجز و تعطل پرچہ کی تاخیر کا بھی سبب بن رہا ہے۔ وہ جو محبت اور عظمت کے چراغ گل کر کے رخصت ہوئے تو خدام و عشاق نے بھی کچھ عرصہ کیلئے محفل زیست کی شمعیں بجھا دیں تو انہیں سزاوار ملامت نہ سمجھا جائے۔

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر

آہ! مولانا محمد علی مرحوم

۱۱ محرم الحرام کا دن دارالعلوم کیلئے ماتم و شیون کا دن بنا کہ دارالعلوم کے ایک قدیم جید اور متبحر بزرگ استاذ حضرت العلامہ الحاج استاذنا المحترم مولانا محمد علی صاحب سواتیؒ صبح دس بجے یکایک اس دار فانی سے منہ موڑ کر واصل بحق ہوئے۔ وصال کا سانحہ بھی عجیب قابلِ غبطہ اور لائقِ صد رشک شکل میں پیش آیا، فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب ہدایہ آخیرین کی درس سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ اچانک دل کا دورہ پڑا۔ چارپائی پہ لٹا دئے گئے۔ جسم اتنا ملائم نرم اور ساتھ ہی گرم بھی تھا کہ ہم سب لوگوں کو کافی دیر گذرنے کے باوجود وفات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ اساتذہ اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ اور طلبہ کا ہجوم اردگرد جمع تھا کہ ڈاکٹر نے وفات کی تصدیق کر دی۔ ایک رقت انگیز کیفیت سب پر طاری تھی، حضرت شیخ الحدیث مدظلہ گریہ سے بے قابو تھے اور دعا فرماتے ہوئے مولانا کو شہیدِ علم قرار دیا۔ ابھی چند لمحے وہ قرآن و حدیث پر مبنی احکام شرعیہ کی تشریح و توضیح فرما رہے تھے۔ کراماً کاتبین نے دفتر اعمال کا آخری صفحہ درس ہدایہ کی شکل میں قلمبند کیا۔ عالمِ نزع کی حالت میں اور موت کی دہلیز میں قدم رکھتے ہوئے بھی علمی مسائل و مباحث اور کتابوں کی درس و تدریس کی ایسی مثالیں سلف میں بھی موجود ہیں مگر بہت خال خال۔ ابھی چند قبل ہمارے حضرت مفتی محمود صاحبؒ بھی اسی تعلیم و تعلم کی کیفیت میں من المہد الی اللحد کا جیتا جاگتا مصداق بن گئے تھے۔ مرحوم حضرت مولانا محمد علی پچھلے دو تین سال سے متعدد امراض شوگر، دل کی بیماری وغیرہ کے نرغہ میں تھے مگر درس و تدریس کا ناغہ اس حال میں بھی گوارا نہ کیا۔ پچھلے دو چار دن سے شدتِ امراض کی بنا پر درسگاہ تک جانے سے قاصر ہو گئے مگر ہدایہ آخیرین اور طحاوی شریف کے طلبہ کو اپنی قیام گاہ میں آکر پڑھنے پر مامور کیا تھا۔ چنانچہ وفات سے قبل ہدایہ کا درس حسبِ معمول دیا۔ نویں اور دسویں محرم کو عاشورہ کے روزے رکھے تھے۔ اغلب یہ ہے کہ آج بھی اسی ضعف و نقاہت اور عوارض کے باوجود روزہ سے تھے اور بحالتِ صوم فرحتِ لقاءِ رب سے مالا مال ہوئے۔ مولانا مرحوم کی خواہش تھی کہ ان کی تدفین بھی دارالعلوم ہی کے قبرستان (جس کیلئے عیدگاہ کے جنوبی دروازہ سے باہر جگہ مخصوص کی گئی ہے۔) میں ہو مگر حضرت کے صاحبزادگان اور پسماندگان کی خواہش پر ان کے آبائی گاؤں شالفین ضلع سوات لاش لے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اطراف میں فون پر اطلاع دی گئی، ریڈیو پاکستان نے بھی شام تک دو ایک بار خبر نشر کی غسل اور تجہیز و تکفین کے انتظامات بڑی تیزی سے ہوئے اور پونے ایک بجے دوپہر دارالعلوم کے صحن میں سینکڑوں علماء و صلحاء اساتذہ و طلبہ نے باچشمِ پرنم دارالعلوم کے اس دیرینہ اور مخلص ترین خادم علوم کتاب و سنت اور مشفق استاذ کا جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی امامت میں پڑھا۔ عام دیدار کے بعد نعش مبارک سوات روانہ ہوئی۔ اساتذہ و طلبہ کی ایک بڑی تعداد ساتھ تھی خود احقر بھی سوات میں تدفین اور اس کے بعد تک سارے مراحل میں ساتھ رہا شام کے نعش ان کی قیام گاہ خوازہ خیلہ پہنچی دوسرے دن بروز جمعہ صبح نو بجے سوات میں دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی علماء صلحاء اور آپ کے معتقدین تلامذہ اور عام مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اس میں شریک ہوئی۔ تدفین یہاں سے تین چار میل دور

آبائی قصبہ شالفین میں ہوئی، حضرت کے پسماندگان اور مقامی علماء اور مسلمانوں کے اصرار پر بعد از تدفین احقر نے موت العالم پر اپنے تاثرات پیش کئے اور اس طرح نمازِ جمعہ سے کچھ قبل ہم دارالعلوم کے ایک مثالی استاذ علم و عمل کی جامع شخصیت اخلاص و سادگی کے پیکر طلبہ سے شفقت اور دارالعلوم سے گرویدگی کی ایک زندۂ جاوید نشانی علومِ نبویہ کے ایک عاشقِ زار الغرض ایک گنج گرانمایہ کو وادیٔ سوات کی پرسکون اور خاموش وادی میں سپردِ خاک کر کے اپنے دل میں مولانا مرحوم کے تقریباً تیس سالہ تعلق و محبت کی انمٹ یادوں کا سرمایہ لئے واپس ہوئے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ۱۹۱۹ء میں بمقام شالفین ضلع سوات ایک علمی گھرانہ میں پیدا ہوئے والد ماجد کا نام مولانا عنایت اللہ صاحب تھا۔ اسی خاندان کے حضرت مولانا سید احمد صاحب عرف شالفین صاحبِ حق المتوفی مکہ معظمہ سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ آپ کے ماموں تھے۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے تقریباً تیس برس قبل دارالعلوم حقانیہ کی تدریس کے فرائض سنبھالے اور بہت جلد طبقۂ علماء کے ممتاز اساتذہ میں شمار ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ کے علماء سے حاصل کی پھر ۱۹۴۳ء میں آپ نے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لیا، تین سال رہ کر وہاں کے اساتذہ سے تکمیل علوم کی کچھ عرصہ سہارنپور کے ایک دارالعلوم میں تدریس کی۔ آٹھ سال تک حکمت آباد کے مولانا میاں مسرت شاہ صاحب مرحوم کے ہاں تدریس میں مشغول رہے اس کے بعد دارالعلوم حقانیہ ہی کے ہو کر رہ گئے آپ کی طلباء سے بے تکلفی اور شفقت مثالی تھی مگر اس کے ساتھ ضبط و ڈسپلن اور امتحانات میں سخت گیری اور طلبہ کے احتساب کی بھی مثال نہیں۔ ان کی وفات سے نہ صرف دارالعلوم بلکہ پورا ملک عہدِ سلف کے ایک معیاری نمونہ اور مثالی شخصیت سے محروم ہو گیا۔ پسماندگان میں بڑے صاحبزادے دارالعلوم کے فارغ التحصیل ہیں۔ دو فرزند اس وقت دارالعلوم ہی میں زیر تعلیم ہیں۔ اللھم ارضہ واکرم مثواہ وبرد مضجعہ ولا تحرمنا اجرہ۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سمیع الحق

حضرۃ مولانا محمد علی سواتیؒ

استاد دارالعلوم حقانیہ

کی

وفات

تعزیتی اجتماع میں
حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ
کا خطاب

حضرت مولانا محمد علیؒ استاد دارالعلوم حقانیہ کی وفات کے موقع پر دارالعلوم کے دارالحدیث ہال میں تعزیتی اجتماع ہوا جس میں تمام اساتذہ وطلباء نے شرکت کی حضرت مولاناؒ کے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن شریف ہوا جسکے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ نے اپنے دعائی کلمات میں انتہائی رقت انگیز طریقہ سے حضرت مرحوم کی زندگی پر روشنی ڈالی۔ ان کے یہ خطبات انہی کے الفاظ میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ (انوار الحق مدرس دارالعلوم حقانیہ)

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ موت العالم موت العالَم۔ موت ہر کسی کو آنی ہے حتیٰ کہ انبیاء کو بھی موت آئی۔ کل من علیھا فان۔ مگر فنا فنا میں فرق ہے۔ ایک فنا وہ ہے کہ صرف ایک انسان پر طاری ہوجائے جس نے صرف فرد واحد کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ اس آدمی کا مقصد زندگی اپنے خوراک، لباس ومکان کے لئے تگ و دو کرنا تھا۔ اس کے مرنے سے صرف اس کے اپنے مفادات ختم ہوجاتے ہیں، اسکی زندگی کا مقصد صرف اپنی "انا" کی الائش وارائش تھا۔ دوسری موت وہ کہ ایک فرد کے مرنے سے اس کے خاندان اور کنبہ کو نقصان پہنچے کیونکہ یہ آدمی سارے کنبہ، رشتہ داروں اور عزیزوں کا خیر خواہ ومعاون تھا۔ تیسری موت اس شخص کی ہے کہ اس کا مرنا ساری مخلوق کے لئے تکلیف اور مصیبت کا باعث ہو۔ یہ وہ موت ہے کہ آدمی اپنی ذات، خوراک، مکان، اور عزیزوں کی فکر میں نہ ہو اور نہ اس کو اپنی اولاد اور کنبے کا خیال ہو بلکہ کل مخلوق وقوم کی زندگی کی بہتری کا طلبگار ہو۔ اسکی نشست وبرخاست۔ سونا اور اٹھنا مخلوق کی بہتری اور اصلاح کے لئے ہو۔ ایسے آدمی کی وفات سے ساری قوم کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ایک عالم کی موت درحقیقت عالَم کی موت ہے۔ خاصکر ایسا عالم جیسے حضرت مولانا محمد علیؒ کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی اشاعت دین کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ہم سب پر بلکہ پورے عالم اسلام پر ہر عالم کے احسانات ہیں۔ آپ نے بخاری شریف میں پڑھا ہے کہ جبتک علماء موجود ہوں اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہے، قیامت

نہ آئے گی۔ قیامت نہ آنے سے پہلے علماء کی کمی آجائے گی مقتدر اور باعمل علماء روئے زمین سے اٹھتے چلے جائیں گے۔ اور ان کی جگہ جہلاء بیٹھ کر فتاویٰ دیں گے جس سے خود وہ اور قوم بھی گمراہ ہو جائیگی۔ جبتک عالم زندہ ہے۔ اللہ کا نام بھی زندہ رہے گا۔ اور جب عالم نہ رہے گا تو تباہی و گمراہی کا آنا پھر یقینی ہے۔ یہ علماء ہی کی برکت ہے کہ ہم آج نماز، حج، زکوٰۃ و جہاد اور دیگر عبادات ادا کر رہے ہیں۔ اور جب علماء وفات پاکر ان کی جگہ جہلاء لیں گے تو پھر دہریت، الحاد اور زندقہ ہوگا۔ جیسے کہ آپ کو معلوم ہے کہ جب روس میں علماء کے وجود کو ختم کر دیا گیا تو اسکی جگہ الحاد اور دہریت نے لے لی۔ اب وہاں اللہ کا نام لینا جرم ہے۔ اور اب آپ کے پڑوس افغانستان میں روسی اپنے نظریات کے پھیلانے کیلئے حملہ آور ہوتے ہیں اور دیندار مسلمان اور علماء جن میں سے اکثر اس دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور پروردہ ہیں ان کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ بحمدللہ اب بھی دنیا کے بڑے خطہ میں اللہ کے نام لیوا کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ورنہ جب خدا کا نام لینے والا نہ رہے تو قیامت آجائیگی۔

آج دارالعلوم حقانیہ اور آپ سب کو جو صدمہ حضرت مولانا مرحوم کی وفات سے پہنچا ہے تو یہ صدمہ بے جا نہیں۔ فی الحقیقت ہم سب کا ناقابلِ برداشت نقصان ہوا ہے، وہ تو انشاءاللہ یقیناً جنت الفردوس میں جائیں گے وہ حالتِ سفر میں تھے۔ فقہ حنفی کی مشہور دینی کتاب ہدایہ ان کے سامنے تھی اور حدیث نبویؐ کی معروف دینی کتاب طحاوی شریف اپنے قریب مطالعہ کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ محرم کے مبارک ایام تھے اور اس سے پہلے دو دن باوجود ضعف کے صائم رہے۔ یہ سب برکت کی نشانیاں ہیں۔ دیوبند میں ہمارے ایک استاد حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ مشکوٰۃ شریف و مختصر المعانی وغیرہ پڑھاتے تھے، بیمار ہو گئے۔ بیماری بڑھنے پر جب سبق پڑھانے کے قابل نہ رہے تو ان کے اسباق دیگر اساتذہ کو تقسیم کر دئے گئے کہ جبتک بیماری میں ہیں طلباء کے درس کا سلسلہ جاری رہے۔ حضرت مولاناؒ نے یہ سوچ کر کہ اب میں بیماری کی وجہ سے سبق پڑھانے کے قابل نہیں رہا۔ مدرسہ والوں کو اپنا استعفیٰ بھیج دیا۔ جب ہمارے شیخ، شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنیؒ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے جاکر فرمایا کہ اے عبدالسمیع کیا تو یہ نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے پیش ہو تو تیری بغل میں مشکوٰۃ شریف ہو۔ یہ آپکی کتنی سعادت مندی اور نیک بختی ہوگی۔ اس لئے آپ اپنے نام سے یہ کتاب نہ کاٹیں، پڑھائے گا کوئی اور مگر فہرست میں بدستور آپ کا نام ہوگا۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت مولانا محمد علی کا بھی یہی طریقہ رہا۔ بیماری کا حملہ گذشتہ سال ہوا تھا اس لئے ہم نے امسال ان کو عرض کیا کہ اس سال صرف آرام کی غرض سے دارالعلوم میں رہیں، نقاہت زیادہ ہے اس لئے اپنے آپ پر اسباق کا بوجھ نہ ڈالیں۔ مگر رب العزت کو تو ان کے درجات کو بلند کرنا مقصود تھا تو گھر سے آتے ہی فرمایا کہ میری کتب کو کیوں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور آتے ہی تدریس شروع کر دی۔ اور پھر آخر میں بھی کتب بغل میں لئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

حضرت مولانا محمد علیؒ نے قریباً ۳۰ سال انتہائی شفقت محبت اور اخلاص سے تدریس کو جاری رکھا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ دارالعلوم نہ نوابوں کا ہے اور نہ امیروں کا اور نہ اس کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے۔ صرف اللہ کے توکل، حضرت مولانا محمد علیؒ اور آپ جیسے اساتذہ و منتظمین، طلباء و معاونین کے خلوص ہی کا نتیجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرماکر اتنی ترقی سے نواز رہے ہیں۔ ـــــ جیسا کہ میں نے عرض کیا مولانا مرحوم مجسمۂ اخلاص تھے۔ ہمارے ساتھ معاملہ بھائیوں سے بھی زیادہ بہتر رہا۔ دارالعلوم میں عجیب بے تکلفانہ زندگی گذاری۔ سارے طلباء اور اساتذہ کے ساتھ بے تکلف تھے۔ ہر فن کی ہر کتاب پڑھانے میں ماہر تھے۔ حدیث میں ان کو دسترس حاصل تھی۔ فقہ کی اہم کتاب ہدایہ بیس پچیس سال پڑھاتے رہے اور اتنی باقاعدگی اور ناغہ کے بغیر کہ ہر سال رجب کی ۱۵ تاریخ تک اپنی کتابوں کو ختم کر دیتے اور طلباء بھی بے حد مطمئن رہتے۔ امام بخاریؒ نے غالباً کتاب العلم میں فرمایا ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ پہلے حیات اور پھر علم۔ علم کا جب کسی میں اثر آجاتے اور علم کا کچھ حصہ حاصل کرے تو خطرہ ہے کہ اس آدمی میں تکبر آ جائے تو فرمایا کہ علم کے ساتھ تواضع آجاتے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی علم کے ساتھ تواضع کی یہ حالت کہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی قسم محمد قاسم اس دیوار سے بھی زیادہ اَن پڑھ ہے۔ امام بخاریؒ کی وصیت پہ ہمارے تمام اساتذہ اور خاصکر مولانا مرحوم کا پورا عمل تھا۔ اور ساری عمر انتہائی متواضع رہے۔ اگرچہ مجھ سے کبھی انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ مگر مختلف ذرائع سے مجھے معلوم ہوتا رہا کہ پاکستان کے بڑے بڑے مدارس والوں نے وقتاً فوقتاً حضرت مولانا کو بڑی تنخواہوں کی پیش کش کی مگر وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرا جنازہ اسی دارالعلوم سے نکلیگا۔

عظیم قناعت اور تواضع کے مالک اور علوم کے جامع تھے۔ آپ سب طلباء اور گزشتہ فضلاء نے انہی اساتذہ سے اسباق پڑھے ہیں۔ تو اب انہی کے علوم کو پھیلاؤ گے۔ انہی اساتذہ میں سے مولانا مرحوم بھی ہیں اور آپ دارالعلوم کے تمام فضلاء کے اشاعتِ دین کا یہ سلسلہ بھی ان کے صدقۂ جاریہ میں شمار ہوگا۔

ابھی عرض کرچکا ہوں کہ آج افغانستان میں بیشتر فضلاء جہاد میں مصروف ہیں۔ یہ انہی اساتذہ جن میں حضرت مولانا محمد علیؒ بھی شامل ہیں کی موت کے بعد اس کا اجر و ثواب ان کے لئے صدقاتِ جاریہ کی حیثیت سے ان کے نامۂ اعمال میں محسوب کیا جائے گا۔

اس وقت ملک و بیرون ملک دارالعلوم کے سینکڑوں فضلاء تدریس و تبلیغ و دیگر دینی امور سرانجام دے رہے ہیں جو انہی اساتذہ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اور اس کا اجر و ثواب بھی حضرت مولانا مرحوم و دیگر اساتذہ و معاونین دارالعلوم کے حصہ میں آئے گا۔ اس میں بڑا حق اساتذہ کا ہے۔

بھائیو! دارالعلوم میں بہت بڑی خلا پیدا ہوگئی ہے ہم ایک بڑے مقتدر استاذ سے محروم ہوگئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ کے علمی کمالات، اخلاق، دینداری حسنِ سلوک کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ تیس سال ہی کسی کو سخت

بات نہ کہی۔ رب العزت ان کو جنت الفردوس نصیب فرماکر ان کے خاندان، اہل وعیال، طلباء، لواحقین اور مدرسہ پر ان کے انوار وبرکات قائم ودائم رکھے۔ اور اس خلاء کو احسن طریقہ سے پر فرمادے۔

مولانا مفتی محمودؒ | اکابر علماء جا رہے ہیں۔ قریبی دنوں میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ جو علم وسیاست کی عظیم ہستی تھی، انتقال فرماگئے، انہوں نے پاکستان میں علم اور علماء کے وقار کو بلند کیا اور علماء کو عزت کا مقام دیا۔ حکومت اور انگریزی خوان بھی ان سے خائف تھے۔ اور سب پر ان کا رعب تھا۔ انگریز نے علماء کو ذلیل کرنے کی جو ناکام کوششیں کیں وہ ہم کو معلوم ہیں۔ انہوں نے علماء اور مذہب اسلام کو لوگوں کی نظروں سے گرانے کیلئے ہر حربہ استعمال کیا تھا۔ یہ مفتی محمودؒ ہی تھے کہ انہوں نے دوبارہ علماء کو باعزت مقام دلانے کیلئے ان طبقوں کو اپنے جرأتمندانہ اقدام اور علمی مہارت سے الزامی اور تحقیقی جوابات کے ذریعے مرعوب کر دیا تھا۔ وزیر اعلیٰ جیسی مسند پر بیٹھ کر جب کہ وہ کروڑوں روپے پیدا کر سکتے تھے فقیرانہ زندگی بسر کی اور اپنے لئے مکان تک نہ بنایا۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ کئی لوگوں نے مالی ذرائع سے ان تک رسائی اور فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر انہوں نے سارے دنیاوی جاہ وجلال کو ٹھکرا دیا۔

حضرت تھانویؒ کی ملاقات کے لئے ایک آدمی یورپ سے آیا اور سوال کیا کہ آپ نے بیان القرآن کے نام سے قرآن کی ایک ضخیم تفسیر مرتب کی تو قوم نے آپ کو اس کا کیا عوض اور صلہ دیا۔ حضرت نے فرمایا ہم یہ دینی خدمات اللہ کی رضا کے لئے کر رہے ہیں اس میں عوض لینے کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں۔ مفتی محمودؒ صاحب نے دنیا اور اہل دنیا کو دکھا دیا کہ اس دین میں اتنی برکت اور قناعت ہے کہ جب ایک دیندار آدمی بڑے سے بڑے عہدہ پر بھی فائز ہو جاتے وہ سب دنیاوی الائشوں کو ٹھکرا دیتا ہے۔ حضرت مولانا محمد علیؒ بھی جاہ وجلال کے طالب نہ تھے۔

چند دن ہوئے بہت بڑے عالم دین حضرت مولانا غلام اللہ خان بھی اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ رب العزت اس امت کو اکابر علماء سے محروم نہ فرمادیں۔ مولانا محمد علیؒ کی موت موت العالم، موت الطلباء، موت الدار العلوم ہے۔ ان کا علمی سلسلہ بند ہوا۔ رب العزت ان پر رحمت نازل فرماکر جن علماء واساتذہ کا زمانہ قریب وبعید میں انتقال ہوا سب کو رحمت کاملہ سے نوازے۔ دل تو بہت کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر حضرت مولانا کے اتنے کمالات ہیں کہ ان کا شمار ناممکن ہے۔ حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرماکر ان کے لواحقین، طلباء وفضلاء کو صبر جمیل اور ہم سب کو ان کے تبلیغی وتدریسی سلسلہ کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں کیونکہ اگر یہ سلسلہ ختم ہوا تو پھر قیامت کے آثار ہیں۔

Engineering Degree And Early Command

N CADET SCHEME

Pakistan Navy

Applications are invited for enrolment as 'N' Cadet in the Pakistan Navy under 'N' Cadet Scheme which provides an excellent opportunity to young and enthusiastic matriculates to receive education at Govt. expense upto HSC at Pakistan Navy Junior Cadet College Manora, Karachi, enabling entry to the Pakistan Naval Academy and Pakistan Naval Engineering College. On successful completion of training at Pakistan Naval Academy and Pakistan Naval Engineering College officers will be awarded Bachelor of Engineering degree.

ELIGIBILITY CONDITIONS

a) Nationality – Male Citizen of Pakistan.

b) Age limit – 15 to 18 years on 1st April, 1981.

c) Educational Qualifications – SSC or equivalent (with Physics, Chemistry and Mathematics) in I/II Division or grade 'D' with at least 45% marks in aggregate. Must have pass marks in Physics, Chemistry, Mathematics and English.

Note :- Candidates appeared/appearing in SSC examination during September/October, 1980, may also apply.

d) Marital Status – Unmarried.

INELIGIBLE CANDIDATES

a) Candidates already studying in Class XII in a College, other than a Cadet/Military College or have passed SSC in April 79 or earlier are not eligible to apply. For details please see the pamphlet attached with the application form.

b) Rejected twice by Inter Services Selection Board.

c) Resigned or dismissed/withdrawn from Army/Navy/Air Force Training Establishment.

d) Dismissed/removed from Government Service.

e) Convicted by a Court of Law for an offence involving moral turpitude.

f) Declared medically unfit by an Armed Forces Appeal Medical Board.

SELECTION PROCEDURE

a) Interview by a Naval Selection Board at Karachi, Hyderabad, Petaro, Sukkur, Quetta, Multan, Faisalabad, Lahore, Rawalpindi, Peshawar and Kohat.

b) Medical Examination in Military Hospitals.

c) Tests and Interview by Inter Services Selection Board Kohat.

d) Final Selection will be made by Naval Headquarters depending on the order of merit and number of vacancies available.

ENROLMENT/EDUCATION

Candidates finally selected by Naval Headquarters will be enrolled in the Pakistan Navy as 'N' Cadets (Direct Entry Sailors) and will be admitted to 1st year in the PN Junior Cadet College Manora, (HSC Pre-Engineering Group). Candidates already styding in I/II year (Pre-Engineering) at Cadet/Military Colleges will continue education in their respective institutions.

PAY & ALLOWANCES

'N' Cadets will get fixed pay of Rs. 300/- per month. All expenses on messing, accommodation, tuition fee, books and stationery etc. will be borne by the Government.

REGULAR COMMISSION

On passing HSC Examination in I/II Division the 'N' Cadets will be under obligation to join Pakistan Navy for training as Cadets. Successful completion of training at PNA and PNEC would lead to eventual grant of Regular Commission in the Pakistan Navy. 'N' Cadets who fail to obtain I/II Division in HSC will be allowed to either continue in service as Direct Entry Sailors or get discharge from Pakistan Navy under the normal rules.

Application forms and further details are obtainable from:

1. Naval Headquarters (Directorate of Recruitment) Islamabad.
2. Naval Recruiting Office, 7 Liaquat Barracks Rafiqui Shaheed Road, Karachi-4.
3. Naval Recruiting Office, D-85, 6th Road Satellite Town, Rawalpindi.
4. Naval Recruiting Office, 7, Shami Road, Lahore Cantt

Last Date

LAST DATE FOR RECEIPT OF APPLICATION AT NAVAL HEADQUARTERS (DIRECTORATE OF RECRUITMENT) ISLAMABAD

25th October, 1980

ADGROUP

مفتئ اعظم کی وفات پر حضرۃ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے تعزیتی تاثرات

موت العالِم موت العالَم

موت کا پیالہ سب کو پینا ہے۔ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ لیکن ایک موت وہ ہے جس کی وجہ سے ایک شخص کی زندگی کے امور معطل ہو جاتے ہیں۔ ایک موت وہ ہے جسکی وجہ سے ایک خاندان کو نقصان پہنچتا ہے۔ مگر ایک موت وہ ہے جس سے کل قوم اور عالمِ انسانیت کو نقصان پہنچتا ہے جس شخص کی زندگی مذہبی و قومی مفاد کیلئے ہو۔ اسکی وفات سے تمام قوم مصیبت زدہ ہو جاتی ہے۔ عالمِ اسلام اور سیاسی دنیا کے عظیم مفکر علمی میدان کے شہسوار سخت اور مشکل گتھیوں کو کھولنے والا علماء کے گروہ میں ایک عظیم مشعلِ دین اسلام کی خوبیوں کو اجاگر کرنے والا علماء کے رتبہ کو قوم کے سامنے واضح کرنے والا۔ حق و انصاف پر فیصلہ کرنے والا۔ ہیں نہ آنے والا اور نہ کبھی اظہارِ حق میں خوف کرنے والا۔ اقتدار و حکومت سے نہ دبنے والا۔ دنیا اور دولت کے خزانوں کو ٹھکرانے والا حضرت مولانا الحافظ الحاج مفتی محمود صاحبؒ کی رحلت تمام ملّت اسلامیہ کے لئے ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے، محراب و ممبر پر تو اسلام کا نعرہ بحمدللہ بلند ہوتا رہا ہے۔ لیکن جابرہ اور ایوان اسمبلی اور پاکستان کے مختلف ادوار میں جس جرأت کے ساتھ ارباب اقتدار کے سامنے اسلام کا نعرہ بلند کیا۔ یہ شان حنبلی ان کی تھی ان کے اظہارِ حق میں نڈر ہونے کی وجہ تھی۔ کہ بڑے سے بڑے جابرہ ان کے سامنے بچوں کی طرح جھکے رہتے۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ شیرِ خدا بن کر ان کے سامنے شاہانہ لہجہ میں گرجتے رہتے۔

انگریز نے علماء کی تذلیل کی تھی اور دنیا کی نظروں میں علماء کو حقیر گردانا اور یہ کسی کے تصوّر میں بھی نہ تھا کہ محراب اور مصلہ کے بوریہ نشین حکومت و دنیوی معاملات کو بھی سلجھا سکتے ہیں۔ مگر دو صد سالہ گمراہ کن پروپیگنڈا کو حضرت مفتی صاحبؒ نے نو ماہ کی حکومت میں زائل کر دیا۔ دنیا کو بتا دیا کہ مولوی بوریہ نشین حکومت کو بہتر طریقہ پر چلا سکتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی حکومت کے زمانہ میں مکمل امن و امان تھا۔ نہ انہوں نے دفعہ ۱۴۴ اور نہ مارشل لاء اور نہ کرفیو نافذ کیا۔ ان کے دورِ حکومت میں کبھی کسی پر گولی نہ چلی۔ عام ضروری اشیاء کی کثرت تھی۔ اس بوریہ نشین نے کرسی پر بیٹھ کر وزیر اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہو کر شاہی میں فقیری اور اسلامی حکومت کا نمونہ پیش کیا۔ اور آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مولوی حکومت چلا سکتا ہے۔ بوریہ نشین کرسی نشین ہو کر اسلام کے بہترین اصول کے مطابق حکومت چلا سکتے ہیں۔

اسلام کی حقانیت اور صداقت کو ظاہر فرمایا۔ حکومت کے اعلیٰ عہدہ پہ فائز ہو کر بھی اپنے لئے مکان تک نہ بنایا۔
اس آخری دور میں وہ خلفائے راشدین کے نقش قدم پہ چلنے والے تھے۔ آج تمام عالم اسلام اور خصوصاً پاکستان میں علماء کو ایک بہتر مقام حاصل ہے۔ اور لوگ علماء کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ حضرت مفتی صاحبؒ کے اخلاق اور فہم اور تدبر اور بہترین کارناموں کا اثر ہے۔ آج سارا پاکستان اور خصوصاً علماء ایک بہترین مفکر اور لائق مدبر سے محروم ہوئے۔ یہ ممکن ہے کہ عالم یا متفکر مل جائے۔ مگر حضرت مفتی صاحبؒ جیسے مدبر کہاں۔ اور ممکن ہے کہ سیاست دان موجود ہو۔ مگر وہ عالم بھی ہو، یہ مشکل ہے۔

الغرض! حضرت مفتی صاحبؒ کے کمالات اور خوبیاں اس قدر ہیں کہ دفاتر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔ خداوند کریم اس امت کی حفاظت و بھلائی کے لئے حضرت مرحوم کا قائم مقام عطا فرمائے۔ آج ہم بہت بڑے عالم دین اور بڑے سیاست دان جو مجمع البحرین تھے۔ محروم ہو گئے۔ یہ صدمہ کل قوم کا صدمہ ہے۔ رب العزت قوم کی رہنمائی کیلئے نائب عطا فرماوے۔ حضرت مفتی صاحب کے ذاتی کمالات بیشمار ہیں۔ انہوں نے قوم، پاکستان اور علماء کے لئے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ بھی لاتعداد ہیں۔ وہ دین اسلام کیلئے سب چیزوں کو قربان کرنے والے تھے۔ اور علمی کمالات کے جامع تھے۔ اسکی تفصیل کے لئے دفاتر بھی پورے نہیں ہو سکتے۔

خداوند کریم حضرت مفتی صاحبؒ کو جنت الفردوس اور صاحبزادگان اور تمام خاندان اور احباب اور رشتہ داروں کو صبر جمیل اور صبر کے بدلے اجر عطا فرماوے۔

مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کا ہمہ گیر ماتم

سینکڑوں تعزیتی خطوط میں سے
چند کے اقتباسات

مکہ مکرمہ | حضرت محسن مفتیٔ اعظمؒ کی موت کی خبر سن کر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نور کے سوا کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔ اس سیاہ دل کو سو بار سمجھا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے۔ مگر یہ صبر نہیں کرتا۔ اب میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔

میرے سردار، میں نے اس سے کہا ہے کہ "اے دل رو اس حبیب محسن کے غم میں جو بچھڑ گیا۔ اور جسکی ملاقات کی اس وقت تک توقع نہیں جب تک آسمان کی چھت میں ستارے چمکتے رہیں گے۔ اور یہ کہتا ہے

اسعدی تعالیٰ مالبینک آخر ۔۔۔ ورفقا بان هل خیالك زائر

(اے حبیب چلے آئیے۔ کیا تیرے فراق کی کوئی انتہا بھی ہے۔ اور گرفتار محبت کے حال پر رحم کیجئے۔ کیا اب کبھی تیری خیالی صورت کی زیارت بھی ہوگی۔؟)

میرے سردار! مجھے معاف فرمانا۔ میں کیا کروں؟ میرے بس میں نہیں۔ اور دنیا کا یہ پرانا طریقہ ہے کہ غم اسی کے سامنے بیان کیا جاتا ہے جو غم گسار ہو۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی موت اسلام، مسلک دیوبند، مسلمانان پاکستان اور جمعیۃ علماء اسلام کے لئے خصوصاً ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

اے اللہ! ہمارے حال پر رحم فرما کر ہمیں بہتر بدل عطا فرما۔ آمین

مجھ سیاہ کار کی کم قسمتی کی بات ہے کہ ایک لمبی مدت کے بعد عریضہ تحریر کرنے کی سعادت پا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

نور محمد غفاری۔ ص۔ ب ۲۴۰۶
مکۃ المکرمۃ ۔ المملکۃ العربیہ السعودیہ

تھائی لینڈ | بی بی سی کی خبروں میں مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کی ناگہانی خبر سن کر انتہائی صدمہ ہوا۔ انا للہ الخ مفتی صاحبؒ کی وفات سے پاکستانی عوام کو جو صدمہ پہنچا اسکی تلافی اللہ ہی کر سکتا ہے۔ تعزیت کے اعلیٰ مستحق ہم ہیں ۔

حالِ من در ہجر حضرت کمتر از یعقوب نیست — او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ایم

ہمارے ہاں تمام مقامی مساجد میں مفتی صاحب کی مغفرت کیلئے دعائیں مانگی گئیں۔

مولانا خلیل اللہ ۔ تھائی لینڈ

ہانگ کانگ | خط لکھ چکا تھا کہ اخبار دیکھا بس میں مفتی صاحب کی وفات کا پڑھ کر افسوس ہوا۔ یہ دنیا اچھے لوگوں سے خالی ہو رہی۔ مولانا صاحبؒ کی خدمات کا اعتراف ہے۔ خداوند کریم آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے میری طرف سے حضرت شیخ الحدیث سے بھی اظہار غم کر دینا۔ ہمیں بھی افسوس ہے اور ہم سب اس غم میں آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

محمد مسکین ۔ ہانگ کانگ

بنگلہ دیش | ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ یہ المناک اور نہایت دردانگیز اطلاع ملی۔ اتنا صدمہ ہوا کہ زبان اظہار پہ قادر نہیں۔ بس اتنا ہے کہ ۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد — اگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

اس مجاہد کبیر کے انتقال سے بس آخری امید بھی ختم ہوگئی خدا جانے کہ برصغیر اور عالم اسلام کے مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے انتقال کی خبر شائع ہوتے ہی پورے بنگلہ دیش میں عموماً اور سلہٹ میں خصوصاً ایک اندھیرا چھا گیا۔ بس ہر شخص کی زبان سے آہ و بکا جاری تھی۔ مدارس، مساجد اور دوسرے دینی حلقوں کیطرف سے ختم قرآن کریم وغیرہ کے ذریعہ ایصال ثواب کیا گیا۔ یہاں جمعیۃ العلماء اسلام کے زیر اہتمام ایک عظیم تعزیتی جلسہ جامعہ مدنیہ میں ہوا۔ حضرت مفتی صاحبؒ سے گذشتہ مارچ دیوبند کے صد سالہ اجتماع کے موقع پہ دیوبند مدنی منزل میں ملاقات ہوئی تھی حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ سے بھی دیر تک گفتگو ہوتی جو حضرت مفتی صاحب کے ساتھ ایک ہی حجرہ میں فروکش تھے۔ لیکن حرماں نصیبی تھی کہ باوجود کوشش کے آپ کے ساتھ ملاقات نہ ہو سکی حضرت مفتی صاحبؒ کی دیرینہ تمنا تھی کہ فضلاء دیوبند کا ایسا ہی ایک اجتماع پاکستان اور ایک بنگلہ دیش میں بھی منعقد ہو تاکہ فرق باطلہ کے سامنے علماء حقانی کی صداقت وحقانیت کھل کر ظاہر ہو جائے۔ لیحییٰ من حیّ عن بیّنۃ۔ الآیۃ

اس مقصد کو کامیاب کرنے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے کہ نہیں ۔؟ میرے خیال میں اگر آپ خود بنفس نفیس یہ ذمہ داری قبول فرمائیں تو کام ہوسکتا ہے ۔ حضرت بقیۃ السلف شیخ الحدیث دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ تا دیر سلامت رکھے ۔

مولانا حبیب الرحمان مہتمم جامعہ مدنیہ قاضی بازار سلہٹ ۔

بھارت — ان کی مجاہدانہ زندگی ، ان کا زہد و تقویٰ ، ان کی حق گوئی و بیباکی ان کا علم و کمال آئیوالی نسلوں کے لئے منبع فیض بنا رہے گا ۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مدارج عطا فرماوے اور ان کے صاحبزادے و جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے ۔

(حضرت مولانا) محمد اسعد مدنی صدر جمعیۃ العلماء ہند ۔ دہلی ۔

افسوس ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال سے علماء پاکستان کی بزم علم و عمل کی ایک اور شمع فروزاں گل ہوگئی ۔ اس سال کا یہ تیسرا حادثہ ہے جس سے جماعت حقہ دیوبندیہ کو دوچار ہونا پڑا ۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی اور حضرت مولانا غلام اللہ خان کے زخم ابھی تازہ ہی تھے کہ ایک اور نشتر سینہ پر آلگا ۔ تینوں سے جشن صد سالہ کے موقع پر نہ صرف شرف ملاقات حاصل ہوا تھا ۔ بلکہ بہت سے علمی و اسلامی و جماعتی موضوعات پر تبادلہ خیالات کا بھی موقع ملا ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان تینوں کو اپنے دامان رحمت و مغفرت میں جگہ دے ۔

اب نگاہیں پرانے بزرگوں میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی پر پڑتی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ملت اسلامیہ کے سروں پر تا دیر قائم رکھے اور ان کے علوم و معارف سے تشنگان علم کو سیراب ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع دے ۔ ـــــ

حضرت مولانا محمد محمود صاحبؒ کے حادثہ پر یہاں کے اہل علم نے شدید تاثرات غم کا اظہار فرمایا ہے ۔ میں نے بھی کچھ لکھا تھا ۔ الجمعیۃ دہلی کا تراشہ ملفوف ہے ۔ جریدہ فریدہ الحق مل رہا ہے ۔ حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں سلام عرض کریں ۔

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
سابق مدیر الحرم ۔ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

ہالینڈ — مولانا مفتی محمودؒ کی وفات کی خبر سے ہمیں دلی دکھ پہنچا ۔ یہاں بھی اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی ۔ لندن سے اخبار وطن شائع ہوتا ہے ۔ اس میں بھی یہ افسوسناک خبر لکھی ہوئی تھی ۔ خداوند کریم ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرماویں ۔

حفظ الرحمان ۔ ڈین ہیگ ۔ ہالینڈ

اکابر جمعیۃ العلماء اسلام | قائد محترم حضرت مولانا مفتی محمود قدس سرہ العزیز کی اچانک وفات ایک ایسا قومی، دینی اور جماعتی صدمہ ہے جس کے کم وکیف کو الفاظ کے دامن میں سمیٹا نہیں جا سکتا، ان کی وفات ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ ملک، قوم اور جماعت کے لئے ان کے مدبرانہ قیادت کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی تھی۔ مگر احکم الحاکمین کی حکمت ومصلحت سب سے بالا ہے اور ان کے ہر فیصلہ کے سامنے صبر ورضا کے ساتھ سرِتسلیم خم کر دینا ہی عبدیت کا تقاضہ ہے۔

دین، ملک، قوم اور جماعت کے لئے قائد مرحوم کی پُر خلوص اور مسلسل جدوجہد، ایثار وقربانی اور عزیمت واستقامت کی روشن روایات ایک کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہیں۔ اور مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ان کے مشن اور روایات کو زندہ رکھا جائے اور جن دینی و قومی مقاصد کے لئے مرحوم نے زندگی بھر شبانہ روز جدوجہد کی ان کی تکمیل کے لئے باہمی رابطہ، تنظیم وضبط اور قوتِ کار کو مضبوط ومستحکم بنایا جائے۔

ہم قائد مرحوم کی اچانک جدائی کے غم میں آپ کے اور آپ کے حلقہ کے دیگر جماعتی رفقاء کے ساتھ شریک ہیں اور سب دوستوں کو تلقین کرتے ہیں کہ صبر وحوصلہ کی اسلامی روایات واحکام کے مطابق اس المناک ترین قومی وجماعتی سانحہ وصدمہ کو برداشت کریں اور مرحوم کو ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کی محافل کا انعقاد کر کے اس موقع پر قائد کے مشن کو زندہ رکھنے اور دینی، قومی وجماعتی مقاصد کے لئے جدوجہد جاری رکھنے کا عزم کریں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دیں اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر قائم رہنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین۔ والسلام

منجانب: شرکاء غم
۱۔ مولانا محمد عبداللہ درخواستی امیر تنظیم العلماء پاکستان۔
۲۔ مولانا عبید اللہ انور امیر تنظیم العلماء۔ پنجاب
۳۔ مولانا محمد شاہ امروٹی امیر تنظیم العلماء۔ سندھ
۴۔ مولانا محمد ایوب جان بنوری امیر تنظیم العلماء۔ سرحد
۵۔ مولانا عبد الواحد امیر تنظیم العلماء۔ بلوچستان
۶۔ مولانا زاہد الراشدی مرکزی ناظم دفتر تنظیم العلماء

● آہ مفتی محمود صاحبؒ اللہ کو پیارے ہوگئے انکی جگہ آپ نے ہی دین کا کام کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حافظ وناصر ہو۔

قاری محمد امین۔ محلہ درکشاپی۔ راولپنڈی

حضرت مفتی صاحبؒ کی شخصیت وہ واحد شخصیت ہے جس نے دنیا میں مولوی کا مقام منوایا اور دنیا کے پرانے اور معمر سیاستدان، شاطر ذہین چالاک اور عیار بھی آپ سے شکست کھا گئے فرحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً آپ کی یاد میں نجم المدارس پندرھویں صدی کے آغاز میں ایک دارالمطالعہ کے اجراء کا بھی ارادہ رکھتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے سانحۂ ارتحال کے موقع پر آپ عبدالخیل تشریف لائے تھے میں ڈیرہ شہر کے جنازہ میں شریک ہو کر بمجبوری

(متفرق)

● مفتی صاحبؒ کی وفات پر دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ اللہ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے۔

مختار احمد ۔ ہری چند چارسدہ

● اس سال بہت ممتاز عالم دین ہم سے جدا ہو گئے ان کا نام سامنے آتے ہیں تو نہ جانے کیا حال ہو جاتا ہے۔ مفتی محمود صاحب کے جانے کے بعد محسوس کرتا ہوں کہ میرا گھر بھی اجڑ گیا ہے۔ میرے والد اور والدہ ہم سے رخصت ہو گئے ہیں۔ معاف کر دیں دل کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے آپکا وقت ضائع کر رہا ہوں۔

پروپرائٹر الرشید ہیر ڈریسر ۔ کراچی

● ہم تمام مدرسین و مہتمم دارالعلوم عربیہ گجرات اس غم میں آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ اللہ کریم ان کی ذات بابرکات کو مغفرت تام نصیب فرماوے اور ان کو جنات عدن میں جگہ دے اور تحریک جمعیۃ کو آپ اور ان جیسے مخلص اور باعزت وباجرأت قائدین نصیب فرماوے۔ راقم الحروف نے جوشِ عشق و محبت و فراقِ محبوب پر چند اشعار لکھے ہیں۔ اگر شائع کر دیں تو کرم ہوگا۔

مولانا عبدالودود ۔ فاضل حقانیہ دارالعلوم عربیہ گجرات

انجمن محبانِ صحابہؓ کے تعزیتی اجلاس میں حضرت مفتی صاحبؒ کی عظیم خدمات کو سراہتے ہوئے حکومت سرحد سے مطالبہ کیا گیا کہ گومل یونیورسٹی کا نام مفتی صاحبؒ کی خدمات کے پیشِ نظر مفتی محمود یونیورسٹی رکھا جائے جیسا کہ ملتان یونیورسٹی کا نام تبدیل کر کے ممتاز روحانی بزرگ کے نام پر حضرت بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی رکھا گیا ہے۔

صدر انجمن محبانِ صحابہ ڈیرہ اسماعیل خان

● شاید میری طرح یا مجھ سے بڑھ کر حضرت مفتی صاحبؒ کے عقیدتمند موجود ہوں لیکن دو تین روز اخبار میں اس کا ذکر جب نظروں میں آتا تو بے اختیار آنسو شروع ہوجاتے۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پہ دنیا کے مسلمانوں اور خاص کر پاکستانی عوام کو مفتی صاحب کی جتنی ضرورت آج تھی شاید پہلے کبھی نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ بہتر جانتا اس کی رضا پہ ہمیں صبر اور ان کا صحیح جانشین نصیب ہو۔

محمد منیب ۔ کمال خیل ۔ ضلع کوہاٹ

● دارالعلوم رحمانیہ کے تعزیتی اجلاس میں ایصالِ ثواب کیا گیا ۔ صدر محترم مولانا عبدالستار نے حضرت کی سیاسی، مذہبی و ملی خدمات کو سراہا حضرت اس گروہ میں تھے جنہوں نے خدا کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو آخر دم تک نبھایا انہوں نے آخر دم تک اسلام کی چوکیداری و نگہبانی کا فریضہ ادا کیا۔

سید گل بادشاہ جمعیۃ طلبہ عربیہ دارالعلوم رحمانیہ درگئی ملاکنڈ۔

● مدرسہ احیاء العلوم منڈی ماموں کانجن ضلع فیصل آباد کے تعزیتی اجلاس میں مہتمم حافظ حسام الدین نے حضرت کی وفات پر گہرے غم و رنج کا اظہار کیا۔ قاری الٰہی بخش صاحب مدرسہ شعبۂ تجوید کی نگرانی میں ختم قرآن پاک بھی کیا گیا۔

مہتمم مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن ۔

● تنظیم سوادِ اعظم اہل سنت والجماعۃ علاقہ پکھل کے تعزیتی اجلاس میں مفتی اعظم کی وفات پر رنج و غم کا اظہار کیا گیا اور صمیم قلب سے مغفور کے رفع درجات کی دعائیں کی گئیں ۔ ایک قرارداد میں صدر مملکت کا شکریہ ادا کیا گیا ، جنہوں نے تمام مصروفیات چھوڑ کر جنازہ میں شرکت کی اور صدر محترم سے اپیل کی گئی کہ مفتی صاحبؒ جیسے عظیم مذہبی اور سیاسی رہنما کے یومِ وفات کو آئندہ سرکاری تعطیل کا دن قرار دیا جائے ۔

محمد عبدالصبور سکھر ناظم نشر و اشاعت

● تنظیم اہل سنت والجماعۃ میرپور خاص کے تعزیتی اجلاس میں حضرت مفتی صاحب کی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی اور مقررین نے کہا کہ اسلام کے عادلانہ نظام کی ترویج نظام ہائے باطل کی تردید، فرنگی تہذیب کے قلع قمع اعلاء کلمۃ الحق کے مقدس فریضہ ملکی سالمیت کے تحفظ جیسی خدمات مسلمہ بحالی جمہوریت اور تحریک ختم نبوت خصوصاً تحریک نظامِ مصطفیٰ تو اس کے شاہد عدل ہیں۔

مولانا فیض اللہ صدر تنظیم حقوق اہل سنت والجماعۃ میرپور خاص سندھ

• علمی و سیاسی دنیا کے عظیم مفکر و قائد حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی رحلت ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک ناقابلِ تلافی سانحہ ہے۔ مرحوم علمی میدان کے روشن مینار تھے۔ دینی مسئلہ پر بحث شروع کر دیتے تو بڑے بڑے عالم ان کے علمی رموز پر انگشت بدنداں رہ جاتے۔ اور جب ملک میں کوئی بڑا سیاسی بحران اور کشمکش پیدا ہوتی تو ان مواقع پر حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے تدبر اور فراست کا وہ ثبوت دیا کہ بڑے بڑے تجربہ کار اور عمر رسیدہ سیاسی لیڈر بھی ان کے تدبر اور قیادت کے قائل ہو کر ان کی سیادت میں مشکل گھڑی سے نکلنے کی کوشش کرتے۔ وہ جس راستے کو حق سمجھ کر اس پر ڈٹ جاتے تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو اپنے موقف سے نہ ہٹا سکتی۔ اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ احادیثِ نبویہؐ کی تدریس اور علومِ دینیہ کی اشاعت کے ساتھ مملکتِ خداداد میں صحیح اور مکمل نظامِ مصطفیٰ رائج کرنے کیلئے وقف کر رکھا تھا۔ اور اس راہ میں جو مصائب اور مشکلات پیش آئیں، انتہائی استقامت اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔ مفکرانہ و مدبرانہ اور دلائل سے بھرپور بحث کرتے، ان کی قائدانہ صلاحیتوں اور شاندار علمی و سیاسی زندگی ہی کی وجہ سے پورے ملک اور بیرون ملک کے مسلمان اور لیڈر ان کی وفات کے بعد ان کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں۔

مولانا حافظ انوار الحق۔ مدرس۔ دار العلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک

• حضرت مفتی صاحبؒ کی اچانک رحلت کی وجہ سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پر ہونا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

حافظ عبد القیوم صابر، مولانا عبد المجید شاکر چغتائی
حافظ عبد الصمد صابر، مولانا غلام محمد صدر مدرس
جامعہ اشاعت القرآن۔ کروڑ پکا۔

• مفتی اعظمؒ ہم سب کو غمگسار اور روتا چھوڑ کر ہمیشہ کیلئے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے وہ ایسی خلاء چھوڑ گئے جو کبھی پر نہ ہو گی۔

طالب حسین ظفر چک ۲۱۳ تحصیل سمندری

• عمران اکیڈمی نے مفتی صاحبؒ کے مفصل حالاتِ زندگی مرتب کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ بحمد اللہ کافی تیزی سے ہو رہا ہے۔ اگر آپ نے حضرت موصوف کے ساتھ کچھ وقت گزارا ہو تو اس دوران کے کارہائے نمایاں سے مطلع فرما دیں۔

سیف اللہ اکرم۔ عمران اکیڈمی مسلم آباد۔ شالا مار ٹاؤن۔ لاہور

باقی ۴۵ پر

نوٹس برائے ٹینڈر

نام کام ــــ کنسٹرکشن آف روڈ وے برج اوور انڈس ریور ایٹ اٹک / خیر آباد۔

سب ہیڈ ــــ کنسٹرکشن آف چیک پوائنٹس، پولیس اکاموڈیشن اور ٹال بلڈنگز۔

تخمینہ ــــ مبلغ نو لاکھ (۹۰۰،۰۰۰/-) روپیہ

میعاد تکمیل ــــ چھ ماہ۔

زرضمانت ــــ مبلغ اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰/-) روپیہ

مندرجہ بالا کام کے لئے محکمہ تعمیرات (سی۔ اینڈ۔ ڈبلیو) کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے ٹینڈر مطلوب ہیں جس کے لئے درخواستیں مورخہ ۲۵ / اکتوبر ۱۹۸۰ء کو یا اس سے قبل زیر دستخطی کے دفتر پہنچ جانی چاہئیں۔ دیگر شرائط حسب ذیل ہیں:-

ا۔ ٹینڈر فارم مورخہ ۲۵ / اکتوبر ۱۹۸۰ء دن کے گیارہ بجے تک اجراء ہوں گے۔ اور اسی روز بوقت بارہ بجے دوپہر روبروئے ٹھیکیداران کھولے جائیں گے۔

ب۔ ٹینڈر فارم صرف ان ٹھیکیداروں کو جاری ہوں گے جنہوں نے سال رواں ۸۰-۸۱ کے لئے رجسٹریشن فیس جمع کی ہو۔

ج۔ زرضمانت مبلغ اٹھارہ ہزار روپیہ کال ڈیپازٹ کی صورت میں قابل قبول ہوگی۔

د۔ نامکمل یا مشکوک ٹینڈر منظور نہیں کئے جائیں گے۔

ر۔ ٹھیکیداروں کو چاہیئے کہ وہ صرف آئیٹم ریٹ دیدیں۔

س۔ سیمنٹ یا سریا وغیرہ سرکاری گودام واقع پشاور / نوشہرہ سے مقررہ نرخوں پر دیا جائے گا

ش۔ زیر دستخطی کوئی یا سارا ٹینڈر بلا وجہ بتلائے نامنظور کرنے کا مجاز ہوگا۔

ص۔ دیگر شرائط زیر دستخطی کے دفتر میں کسی بھی اوقات کار کے دن ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

منجانب

ایکسین نوشہرہ / خیر آباد

برج ڈویژن نوشہرہ

INF (P) 2281

حضرت مفتی محمودؒ کی وفات اور دارالعلوم حقانیہ

جناب شفیق فاروقی

حضرت مولانا مفتی محمودؒ صاحب داعیٔ انقلاب اسلامی کا تمام مدارس عربیہ سے عموماً مگر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور اس کے طلبہ سے خصوصاً جو والہانہ تعلق رہا اسکی مثال نہیں ملتی۔ حضرت مرحوم کے خاندان اور قریبی روحانی تعلق رکھنے والے گھرانہ خانقاہ یاسین زئی پنیالہ اور اباخیل کے اکثر بچوں اور نوجوانوں کی دینی تعلیم دارالعلوم حقانیہ ہی میں ہوتی رہی خانقاہ یاسین زئی پنیالہ جس سے بیعت وارشاد اور اولین تربیت کا تعلق مفتی صاحبؒ رکھتے تھے اس کے اکثر موجودہ علماء دارالعلوم حقانیہ کے روحانی فرزند ہیں۔ مولانا صاحبزادہ محمود صاحب پنیالہ (جنہوں نے آپکی نماز جنازہ پڑھائی) مولانا محمد محسن۔ مولانا عبداللہ صاحب مولانا عبدالقدوس صاحب، پیر عبدالقیوم صاحب۔ مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب۔ نے دارالعلوم ہی میں تکمیل علوم کیا۔ اباخیل کے روحانی خانقاہ کے مولانا عبدالرحمان صاحب، مولانا عبدالرحیم صاحب، مولانا عبدالکریم صاحب، مولانا عبدالمتین صاحب، مولانا عبداللہ صاحب دارالعلوم حقانیہ کے حلقہ فضلاء کی روشن کڑیاں۔ خود حضرت مفتی صاحبؒ کے فرزند اکبر مولانا فضل الرحمان صاحب پانچ چھ برس دارالعلوم حقانیہ ہی میں کسب فیض کرتے رہے، اور پچھلے سال حضرت شیخ الحدیث اور دیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث پڑھکر فارغ ہوئے جبکہ ان کا اپنا معیاری مدرسہ قاسم العلوم ملتان موجود تھا۔ مگر یہاں دارالعلوم کے ماحول میں وہ ایسے رچ بس گئے کہ یہاں کے ہوکر رہ گئے۔ اس وقت بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے ہر دو بھتیجے مولوی عنایت اللہ صاحب شریک دورۂ حدیث اور مولوی کفایت اللہ دارالعلوم حقانیہ کے ہونہار طالب علم ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ سے تعلق خاطر کا نتیجہ تھا کہ حضرت مفتی صاحبؒ جب بھی صوبہ سرحد آتے اور جی ٹی روڈ سے گذرتے تو لازماً طلبہ دارالعلوم کو اپنے انقلابی خیالات سے نوازتے۔ ایک دفعہ حضرت مفتی صاحبؒ نے دارالعلوم میں اپنے خطاب میں ظریفانہ انداز میں فرمایا کہ میں تو یہاں بغیر ٹھہرنے کے گذرنا ایسا سمجھتا ہوں جیسا کہ کسی میقات سے بغیر احرام کے گذرنا ہوتا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی انقلابی تحریک نفاذ اسلام کو ہر دور میں دارالعلوم حقانیہ کے

سرفروشانہ اور انقلابی تعلیمی ماحول سے مکمل تعاون ملتا رہا۔ دارالعلوم حقانیہ کے جلیل القدر شیخ الحدیث مدظلہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کا نہ صرف طویل رفاقت کا تعلق رہا بلکہ آپ اس تعلق میں عقیدت و احترام کو بے حد ملحوظ رکھتے تھے جبکہ بڑے بڑے اکابر و مشائخ سے آداب احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی حضرت مفتی صاحبؒ کچھ نہ کچھ بذلہ سنجی اور ظرافت میں بے تکلف ہو جاتے تھے مگر اسمبلی اور اس کے بعد کی طویل مدت میں ہر جگہ میں نے حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ کو ایک خاص عقیدتمندانہ انداز میں دیکھا کہ وہ اُن کی پوری پوری رعایت کرتے تھے اسی طرح ہمارے مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ گہری محبت اور مشفقانہ تعلق کا عالم تھا۔ مگر وہ حد سے زیادہ بے تکلفانہ انداز میں جب بھی آپ ملتے تو حضرت مفتی صاحبؒ کی طبیعت کھل جاتی اور لطائف و ظرائف اور خوش طبعی کا ایک باب کھل جاتا۔ اس سلسلہ میں مستقل ایک "ظریفانہ موضوع" پر گفتگو ہوتی اس موضوع کے دائرے بڑے وسیع ہوتے۔ ایک مستقل ظریفانہ پارٹی کے منشور پر بحث ہوتی، عہدہ داروں اور سرکردہ اور سرگرم کارکنوں کی نامزدگیاں ہوتیں، عہدے گھٹائے اور بڑھائے جاتے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے قریبی حلقۂ احباب اور بے تکلف دوستوں میں بے حد دلچسپی سے اس "پارٹی" کے چرچے ہوتے۔ مولانا سمیع الحق صاحب جب دیکھتے کہ حضرت مفتی صاحبؒ ملک و ملت کے گھمبیر مسائل اور نہایت سنگین حالات میں گھرے ہوتے ہیں، طبیعت چور چور ہے تو اس موضوع کو چھیڑ دیتے۔ محفل سنجیدگی کی بجائے ہنسی مذاق میں بدل جاتی۔ میں نے عموماً دیکھا کہ مولانا سمیع الحق صاحب سے ملتے ہی حضرت مفتی صاحبؒ کی طبیعت میں شگفتگی آجاتی۔ بارہا ایسا ہوا کہ قومی اسمبلی یا تحریک یا وزارت کے دوران بھی مولانا سمیع الحق صاحب نے اشارتاً کہا کہ حضرت نکلئے ان ہنگاموں سے چلیں کہیں، کچھ دیر آپ کو تفریح و آرام کرائیں۔ مفتی صاحبؒ بخوشی آمادہ ہو جاتے اور ہم لوگ انہیں لیکر کسی پارک یا الگ جگہ لے جاتے، گھنٹوں بے تکلفانہ اور ظریفانہ گفتگو اور محفل ہوتی مفتی صاحبؒ مرحوم ہشاش بشاش ہو جاتے۔ فرماتے کہ مجھے تو ان ہنگاموں نے مار ڈالا۔ میں تو خود کچھ دیر کیلئے ایسا ماحول چاہتا ہوں۔ ان محفلوں میں عجیب عالم تھا، چٹکلے لئے جاتے، علمی و ادبی نکات ہوتے، شعر و شاعری بھی ہوتی کسی شعر میں سقم ہوتا تو حضرت مفتی صاحبؒ بار بار دہرا کر کہتے یہ شعر وزن پر پورا نہیں اتر رہا۔

اشخاص و افراد کا تجزیہ ہوتا، ہم لوگ کچھ سمجھتے کچھ نہ سمجھتے مگر بے حد محظوظ ہوتے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کی انتہائی شفقت و محبت کہئے کہ مولانا سمیع الحق صاحب بے تکلفی اور جرأت و محبت اور عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ سب کچھ کہہ جاتے جو اور نہ کہہ سکتے مگر آپ کی پیشانی پر بل نہ آتا۔

تحریک کے دوران ہم لوگ بھی مولانا سمیع الحق صاحب کے ساتھ گرفتار ہوئے اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ ہری پور جیل میں تھے۔ مولانا سمیع الحق صاحب سے اس وقت کی انتظامیہ اس وقت کے وزیر اعلیٰ نصر اللہ خان خٹک کے الیکشن میں شکست کھا جانے کی وجہ سے سخت ناراض تھی۔ آپ دارالعلوم میں تھے اور جلسے جلوسوں کی رہنمائی کر رہے

تھے پولیس انہیں ہر حال میں گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ آپ نے انتظامیہ سے کہا کہ میں آج گرفتاری پیش کروں گا مگر اس شرط پر کہ مجھے پشاور کی بجائے ہری پور سنٹرل جیل سے جایا جائے گا۔ یہ شرط بخوشی منظور کر لی گئی شام کو آپ کو جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتار کیا گیا۔ رات ہمیں مقامی تھانہ میں رکھا گیا۔ اور دوسرے دن صبح خانہ پُری کیلئے پشاور سنٹرل جیل پہنچا کر وہاں سے سیدھا ہری پور بھیجے جانے کے کاغذات تیار کئے گئے۔

بارہ بجے ہم ہری پور جیل پہنچائے گئے۔ اس دن کے اخبارات میں گرفتاری کی خبر آچکی تھی جسے مفتی صاحبؒ نے پڑھ لیا تھا۔ مولانا سمیع الحق صاحب بھی اسی وجہ سے ہری پور جیل سے جانے پر اصرار کر رہے تھے کہ اپنی محبوب شخصیت حضرت مفتی صاحبؒ کی صحبت وہاں میسر ہوگی۔ جیل جا کر حضرت مفتی صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے دور سے دیکھتے ہی فرمایا کہ میں نے اخبار میں پڑھا تو اللہ سے یہی دعا مانگ رہا تھا کہ یا اللہ انہیں پشاور وغیرہ کی بجائے ہری پور جیل سے آ۔ پھر تو وہاں ان کی جو محفلیں مہینہ ڈیڑھ رہیں اور جو بزمیں سجتیں آج اس کا سوچ کر کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ کہ یا اللہ یہ کیا ہوگیا۔ بزم ہی اُجڑ گئی، نہ ساقی ہے نہ محفل ہے نہ میخانہ۔

وہاں حضرت مفتی صاحبؒ کے مشاغل مصروفیات اور گھنٹوں تنہائی کی بے تکلفانہ محفلیں، اس کے بیان کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ جیل میں حضرت مفتی صاحبؒ نے بعد از عصر حدیث کا درس شروع کیا۔ ہزاروں قیدی اہل علم وفضل کا خلاصہ سمٹا تھا۔ جلسہ کی صورت اختیار ہو جاتی۔ حاکم وقت کو یہ ناگوار گذرا، درس بند کر دیا گیا حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ ذمہ داری مولانا کو سونپ دی دو چار دن درس دینے کے بعد جب بند کر دیا گیا تو آخر تک مولانا سمیع الحق صاحب نے بعد از عصر کا درس حدیث دیا۔ جب تک حضرت مفتی صاحبؒ جیل میں رہے۔ جب انہیں سہالہ ریسٹ ہاؤس منتقل کیا گیا تو تقریر اور خطبۂ جمعہ کی ذمہ داری بھی جیل کے مختلف مکاتب فکر سیاسی وعلمی زعماء اور ہزاروں رضاکاروں نے مولانا سمیع الحق صاحب کے سپرد کر دی جسے آپ نے باحسن طریقہ نباہا۔ بہر حال یہ تو ایک طویل تعلق اور صحبتوں کی داستان ہے۔ بات دارالعلوم حقانیہ سے حضرت مفتی صاحبؒ کے گوناگوں خصوصی تعلقات و روابط کی ہو رہی تھی اس مناسبت سے بات لمبی ہوگئی ان وجوہات سے حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات سے دارالعلوم حقانیہ پر ایک قیامت گذری تو تعجب کی بات نہیں ہے۔ اور اسے قدرتی تعلق خاطر کا نتیجہ کہئے کہ پشاور اور لاہور کے مرکزی دفاتر اور اکابر جمعیۃ سے بھی قبل یعنی وفات سے کچھ ہی دیر بعد دو سوا دو بجے اکوڑہ خٹک جیسے گاؤں جہاں ٹرنک کال پر گھنٹے لگتے ہیں۔ مولانا سمیع الحق صاحب نے فون پر یہ حادثۂ فاجعہ سنا۔ یہ اطلاع پہلے قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی کے ہاں دی گئی۔ اتفاق کہئے کہ وہ ڈیڑھ بجے راولپنڈی سے اکوڑہ خٹک مولانا سمیع الحق صاحب کے پاس آنے کیلئے ان کے دیرینہ رفیق مولانا عبداللہ کاکاخیل حال مقیم نائیجیریا کی معیت میں روانہ ہو چکے تھے۔ اس وقت مولانا سمیع الحق صاحب کسی کام کیلئے راولپنڈی روانہ ہونے والے کہ وہاں سے مولانا سعید الرحمان صاحب کا فون

آیا اور باصرار یہ کہہ کر روکا کہ ہم خود آپ کے پاس آرہے ہیں۔ رات اکوڑہ آپ کے پاس رہیں گے۔ وہ لوگ راستہ ہی میں تھے کہ یہ المناک فون یہاں موصول ہوا۔ مولانا سمیع الحق صاحب کی حالت قابلِ رحم تھی۔ چہرا بالکل زرد اور فق ہو گیا۔ اور فون پر بار بار کہہ رہے تھے کہ یہ اطلاع قطعی غلط ہو گی اور کسی دشمن نے اڑائی ہو گی۔ تحقیق ہونے تک آپ نے دارالعلوم کے دفتر کو بھی روکا کہ یہ خبر فی الحال دارالعلوم میں پھیلنے نہ پائے۔

چند لمحے بعد قاری سعید الرحمان صاحب اور مولانا عبداللہ کاکاخیل صاحب بھی پہنچ گئے۔ مولانا نے گھر کے دروازہ ہی میں انہیں یہ منحوس خبر سنا دی۔ اور سب سر پکڑ کر رہ گئے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ جو دل کے مریض تھے اب انہیں اطلاع کس طرح دی جاتی۔ بڑے غور و فکر کے بعد مناسب انداز میں انہیں یہ خبر پہنچائی گئی مگر جو خطرہ تھا وہی ہوا۔ حضرت مدظلہ کو خبر سنتے ہی سینہ میں درد شروع ہو گیا۔ کئی گھنٹے حیرت اور درد و الم کی حالت میں گذرے اور رفتہ رفتہ طبیعت بحال ہو گئی۔

جنازہ کا نظام یقینی معلوم ہوا تو یہ سب لوگ رات کو تین بجے حضرت مفتی صاحب کے گاؤں عبدالخیل روانہ ہوئے دارالعلوم میں عید الاضحیٰ کی تعطیل شروع ہی ہوئی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے برادر زادے بھی یہاں موجود تھے ان کو بھی اطلاع ہوئی، طلبہ خبر سنتے ہی دارالعلوم کی مسجد میں جمع ہو کر تلاوت کلام پاک میں مصروف ہو گئے۔ اور اکثر موجود طلبہ جیسے بھی ہو سکا اپنے اپنے ذرائع سے ڈیرہ اسماعیل خان کیطرف روانہ ہوئے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے درد و غم اور تعزیت کا پیغام اخبارات کو بھجوایا، دارالعلوم کے سینکڑوں فضلاء قدیم طلبہ اور متعلقین اور اساتذہ نے جنازہ میں شرکت کی۔ تعطیل عید الاضحیٰ ختم ہونے پر دارالعلوم کھل گیا۔ غمزدہ طلبہ اوطان و بلاد سے واپس ہوئے تو تعزیتی اجتماعات ختمِ کلامِ پاک اور دعاؤں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دارالعلوم میں طلبہ کے ذوق، زبان، علاقوں اور اوطان کے اختلاف کی بناء پر تقریر و خطابت اور تنظیمی زندگی کی مشق و تمرین کے لئے کوئی ایک درجن انجمنیں، مجالس اور تنظیمیں قائم ہیں جو شبِ جمعہ اپنے پروگرام کے مطابق تعزیتی اجتماعات منعقد کرتی ہیں کسی نہ کسی موضوع پر تقاریر اور خطبات و مقالات کی مشق ہوتی ہے۔ طلبہ کے ان ہفتہ وار اجتماعات نے تعزیتی اجتماعات کی شکل اختیار کر لی اور ختمِ کلامِ پاک کے بعد طلبہ کی تقریر حضرت مرحوم کی شخصیت و کردار اور ان کی جدائی پر افسوس و غم اور عزائم دینی کی تجدید کے گرد گھومتی رہی جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس کا مختصراً ذکر جگہ کی کمی کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔

انجمن تمرین البیان | دارالعلوم حقانیہ میں مقیم ضلع ڈیرہ اسماعیل خان بنوں و شمالی اضلاع کے طلبہ پر مشتمل اس انجمن نے اپنے تعزیتی اجلاس میں حضرت مفتی صاحبؒ پر ایک مجلسِ مذاکرہ کا اہتمام کیا جسکی صدارت حضرت مفتی صاحبؒ کے برادر زادہ مولوی عنایت اللہ صاحب ڈیروی شریکِ دورۂ حدیث نے کی۔ صاحبزادہ عبدالرؤف متعلم دارالعلوم کی تلاوت

کلام پاک کے بعد مولوی مطیع اللہ نے قائد محترم کی شان میں ایک منظوم مرثیہ سنایا۔ طلبۂ دارالعلوم مولوی عبدالعزیز شاہ مولوی انیس الرحمٰن، مولوی پیر مظفر شاہ، صاحبزادہ عبدالوہاب ابائیلی، مولوی محمد ایاز، مولوی غلام محمد، مولوی اشرف علی صاحبزادہ عبدالقدیر شاہ اور دیگر حضرات نے حضرت مفتی صاحب مرحوم کے گوناگوں کمالات اور خوبیوں پر تفصیلی روشنی ڈالی اور علم و عمل جہاد و سیاست کے میدان میں ان کے نمایاں کارناموں کا تذکرہ کیا۔ آخر میں صدر جلسہ مولوی عنایت اللہ ڈیروی نے تقریر کی اور کہا کہ مرحوم کی زندگی ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے۔ علماء کا یہ قافلہ حق جسے سامنے رکھ کر کامیابی سے ہمکنار ہوا جاسکتا ہے۔ آخر میں ایصالِ ثواب کیا گیا۔

انجمن تنظیم المسلمین | غیور قبائلی علاقہ شمالی وزیرستان کے طلبہ کی اس انجمن کے تعزیتی اجتماع کی صدارت مولوی مبارک خان متعلم دارالعلوم نے کی۔ حافظ امیر محمد صاحب کی تلاوت کلام پاک کے بعد انجمن کے جنرل سیکرٹری مولوی محمد ریاض نے تعزیتی کلمات سے اجلاس کا افتتاح کیا۔ اور مقررین نے حضرت مفتی صاحب کے شاندار کارناموں کو بیان کیا۔ آخر میں جناب صدر جلسہ نے دعائے مغفرت کرائی۔

انجمن خدام الدین | اس انجمن کا تعزیتی اجلاس مولوی پیر مختار الدین صاحب اورکزئی کی صدارت میں ہوا قاری نعیم الحق صاحب کی تلاوت کلام پاک کے بعد انجمن کے بانی اور سیکرٹری مولوی اسلم خان خٹک نے حضرت مفتی صاحب کی زندگی پر مفصل اور مبسوط خطاب کیا۔ اور عظمت ادوار کو بیان کیا۔ دیگر مقررین نے بھی شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا۔ پسماندگان کے صبرِ جمیل کی دعا کی گئی۔ آخر میں تمام حاضرین جلسہ نے ایصالِ ثواب کیا۔

انجمن اصلاح الکلام | یہ اجلاس صدر انجمن اصلاح الکلام مولوی مختار احمد ارشد کی صدارت میں ہوا۔ قاری ولی اللہ نے تلاوت کلام پاک کے بعد ایک پرسوز نظم سنائی جس سے سامعین آبدیدہ ہوئے۔ مولوی محمد نعیم صدر جمعیۃ الطلباء اسلام ضلع مردان شریکِ دورۂ حدیث نے تقریر میں کہا کہ آپ اخلاص و ایثار کا مجسمہ تھے۔ مولوی شہباز خان متعلم دارالعلوم نے کہا کہ اس عظیم رہنما کی ساری زندگی اشاعتِ دین میں گذری۔ مولوی سید عبدالبصیر شاہ ناظم اعلیٰ انجمن نے کہا کہ مرحوم نہ صرف جہاں عالم دین فقیہ اور محدث تھے وہاں بین الاقوامی سیاستدان بھی تھے۔ آخر میں صدر انجمن مولوی مختار احمد ارشد نے تقریر کی اور کہا مفتی صاحب تو چلے گئے مگر ان کا مشن ابھی باقی ہے۔ آخر میں اجلاس نے ایک قرارداد کے ذریعہ گومل یونیورسٹی ڈیرہ کا نام مفتی محمود یونیورسٹی رکھنے کا مطالبہ کیا گیا۔

انجمن تہذیب البیان | ۱۶ر نومبر کی شب جمعہ کو اس انجمن کا تعزیتی اجتماع مولوی مسعود جان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ انجمن کے جنرل سیکرٹری مولوی اشرف الدین اشرف نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دئے۔ قاری حفظ الرحمان ڈیروی کی تلاوت کلام پاک کے بعد مولوی محمد اسرائیل نے کہا کہ آپ کی موت عالمِ اسلام کی موت ہے۔ مولوی محمد رحیم ڈیروی، صدر اجلاس مولوی مسعود جان نے مفتی صاحبؒ کے کارناموں پر روشنی ڈالی۔ آخر میں مولوی محمد محسن سیکرٹری نشر و اشاعت انجمن نے تعزیتی اشعار سنائے۔

نداء الاسیر

اسیرِ زندانِ ملتان مفتی محمود صاحب کا ایک قصیدہ

داعیٔ اسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے بلند پایہ فقیہ جید عالم دین پختہ کار سیاستدان اور مسلمانان پاکستان کے واحد رہنما تھے جن کی سیاست دیانت اور بے لوث قیادت پر پوری قوم متفق تھی۔ حضرت مولانا مفتی صاحب ان تمام خوبیوں کے علاوہ ایک بہترین ادیب، مصنف اور قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ یہ قصیدہ انہوں نے ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلہ میں ملتان جیل میں ماہِ رمضان میں لکھا تھا۔ اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ہم ایک جامع کمالات شخصیت کے سائے سے محروم ہو گئے ہیں۔ آج ان کا ہر عقیدتمند زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ ؎

من شاء بعدك فليمت   فعليك كنت احاذر

اب تیرے بعد جو بھی مرنا چاہے مر جائے، اس لئے کہ مجھے تو بس تیری ہی فکر تھی۔

قصیدہ

وانی فی دار ھنا سکن الذی | اعان علی تقویم دین مقوم

میں ایک ایسے گھر میں ہوں (جیل میں) کہ یہاں وہ شخص رہا ہے کہ جس نے دینِ قیم کی درست کاری میں مدد کی ہو ــــ

ففیھا ابن اسرائیل یوسف نازل | علیه سلام اللہ لیس بـاجذم

تو اس میں اسرائیل علیہ السلام کے بیٹے یوسف علیہ السلام بھی ٹھہرے، ان پر خدا کیطرف سے نہ منقطع ہونیوالی سلامتی کا نزول ہو۔

وقد سکنت فیھا ائمۃ دیننا | وفیھا ابو فقه کثیر التکرم

اس میں ہمارے آئمہ دین بھی رہے ہیں، اس میں ابو الفقہ (امام ابوحنیفہ) جو بہت بزرگی والے ہیں، رہے ہیں۔

وفیھا ابن تیمیه تراه موثقا | مقام کریم اشجع متلثم

اس میں ابن تیمیہؒ (رہے ہیں) انہیں تم دیکھو کہ وہ عزتمند بہادر اور ڈھاٹا باندھنے والے شخص کے مقام پر مضبوطی سے کھڑے ہیں

وشیخ بسرھند المبارک منزلا ۔۔۔ بھا صار شیخا قطب فضل معمم

اور شیخ مجدد الف ثانی جو سرہند مبارک میں ٹھہرے ہوئے ہیں اسی (قید خانے) میں شیخ قطب فضیلت اور صاحب عمامہ ہوئے

ھناک رشید جاء بالفضل والعلیٰ ۔۔۔ وعرف محمود ھناک بضیغم

یہیں (قید خانہ ہی میں) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فضیلت و بلندیاں لیکر آتے اور یہاں حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسن شیر اسلام کی حیثیت سے معروف ہوئے۔

کفایة مولانا وفخر زماننا ۔۔۔ فکل سما فیھا مدارج سلم

ہمارے آقا کفایت اللہ اور ہمارے زمانہ کے فخر (یعنی مولانا فخر الدینؒ) ہر ایک قید ہی میں (بلندیوں) کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر ابھرے۔

وفیھا حسین احمد نراہ توطنا ۔۔۔ لذاک تراہ الیوم خیر میمم

اسی میں حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کو تم دیکھوگے کہ انہوں نے اپنا وطن ہی (قید خانہ) بنا لیا۔ اسی لئے آج تم دیکھوگے کہ وہ سب سے بہتر مقصود بن گئے۔

وفیھا قضی عمرا امیر شریعة ۔۔۔ وفیھا امام الھند جاء بتقدم

اور اسی میں امیر شریعت (مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم) نے اپنی عمر کا ایک حصہ گذارا اور اسی میں امام الہند (مولانا ابوالکلام آزادؒ) آگے بڑھنے کی فضیلت لائے۔

فلولا اری فیھا مآثر سارة ۔۔۔ ولولم اظن الدار دار تنعم

اگر میں اس میں اس چلنے والے (قافلہ) کے نشانات نہ دیکھتا اور اگر میں اس گھر (قید خانہ) کو نعمتوں کا گھر نہ جانتا

ولولم اخل فیھا معارج ذروة ۔۔۔ ولم ارتقب فیھا حصول التکرم

اور اگر میرے خیال میں اس میں بلندیوں کی چوٹیاں نہ ہوتیں اور عزت کا حصول مدنظر نہ ہوتا ——

ولم ارج فیھا النیل نیل سعادة ۔۔۔ ولم انتظر فیھا نزول الترحم

اور اگر میں اس میں حصول سعادت کی امید نہ رکھتا ہوتا اور (اگر) اس میں رحمت خداوندی کے اترنے کا مجھے انتظار نہ ہوتا

ولم اجتنب ذاک الورود فریضة ۔۔۔ رضا لنبی ماجد ومکرم

اور اگر میں اس (قید خانہ) میں آنے کو فرض نہ جانتا ذی المجد والکرم نبی علیہ الصلوٰة والسلام کی خوشنودی پیش نظر نہ ہوتی

وحفظا لدین قیم واماطة ۔۔۔ لکذب رجیم خادع وغلیم

اور دین قیم کی حفاظت اور راندہ درگاہ دھوکہ باز اور غلام ذلیل کے جھوٹ کو دفع کرنے کے لئے۔

فلو لم یکن ھاذاک ما شئتُ نحوھا | بقلب مریض مشرئب متیّم

اگر یہ باتیں نہ ہوتی تو میں قیدخانہ کی طرف ایسے دل سے نہ چلتا جو قیدخانہ جانے کیلئے سر اٹھائے ہوئے اور بیقرار ہے۔

ولم افترق اھلی وداری لساعۃ | ولم ادخل البیت المقفل فاعلم

اور میں اپنے گھر اور اہل و عیال سے ذرا سی دیر کے لئے بھی جدا نہ ہوتا اور دیکھو کہ نہ ہی اس مقفل گھر میں داخل ہوتا۔

ولم ترنی المحبوس فی السجن لحظۃ | وکنت جمیعا بالرفیق المعظم

اور تم مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی قید میں بند نہ دیکھتے اور میں رفیق معظم (اپنے شیخ) کے ساتھ ہوتا

وما کنت فی رمضان مونس غربۃ | ولم تدر ما حال الاسیر المجمجم

اور رمضان میں میں پردیسی زندگی سے مانوس نہ تھا اور تم نہیں جان سکتے کہ بے بس قیدی کا کیا حال ہوتا ہے ــــــ

ولم ترنی قاسیت کابۃ عزلۃ | وما کان لحظی دفعۃ بمحرم

اور تم نے مجھے نہ دیکھا ہوگا کہ میں نے کیسوئی کی تکلیف سہی ہو (اور جیل میں آنے سے پہلے) میرا اچانک (سب کو) دیکھنا حرام نہ ہوا تھا۔

وما کان فی قلبی حریق تشوق | وما کان جسمی للعدی بمسلم

اور میرے دل میں شوق کی آگ نہ تھی اور میرا جسم دشمنوں کو نہ سونپا گیا تھا ــــــ

فارجو الکریم الرب حسن تقبل | عسی اللہ ان یجعلہ خیر مقدم

پس میں اپنے پروردگار کریم سے امید رکھتا ہوں حسن قبول کی۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آمد (جیل) کو بہتر بنا دے

بقیہ: مرثیہ

کان ذا رحم لاعداء واشرار لہ | کان ذا حب سلو اللہ لہ غفرانہ

وہ اپنے دشمنوں اور حاسدوں پر بھی رحم کرنے والے تھے۔ وہ محبت والے تھے، خدا سے انکی مغفرت کا سوال کرو۔

فارزق اللھم جنت لہ یوم القیام | واثقل اللھم یوم القیامۃ میزانہ

خدایا! ان کو آخرت میں جنت نصیب فرما۔ اور خدایا قیامت کے دن ان کا ترازوی اعمال بھاری فرما۔

وارزق اللھم صبرا کاملا اولادہ | خص بالعز من الولد فضل رحمانہ

خدایا ان کے بچوں کو صبر کامل عطا فرما اور انکی اولاد میں سے فضل الرحمان کو خصوصی عزت عطا فرما۔

کم تکاد تبکی بوفاتہ عبد الودود | انہ یزدی ولا یعطی لنا وجدانہ

اے عبدالودود تم کب تک ان کی وفات پر روؤگے۔ یہ تو نقصان دیتا ہے۔ اور ہم کو ان کا وجود بابرکات نہیں مل سکتا

مرثیۂ مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم

مولانا عبدالودود مدرس فاضل حقانیہ دارالعلوم عربیہ گجرات

مات محمود ولاکن لم یمت فیضانہ — لم یمت فیضانہ واللہ ابقیٰ شانہ

مفتی صاحب تو فوت ہوئے لیکن اس کے کمالات فنا نہیں ہوئے، ان کے کمالات فانی نہیں ہوئے۔ اللہ نے ان کی عظمت شان باقی رکھی۔

کان اعلیٰ مفتیا و متقیا بارعاً — مستدلاً عالما ما احسن برھانہ

وہ ایک بڑے مفتی تھے اور اعلیٰ پرہیزگار تھے۔ استدلال والے تھے، عالم تھے، علم استدلالی میں عجیب کمال رکھتے تھے۔

مثبتاً للحقّ کان ماحیا للباطل — محسناً للعالم ما اکثر احسانہ

حق کے نگہبان تھے اور باطل مٹانے والے تھے۔ اہل دنیا پر مہربان تھے، کیا عجیب احسان والے تھے۔

کان محمودا بحمد اللہ حمداً باقیاً — دائما لا زائلاً ما اکرم انبانہ

وہ اللہ کی دی ہوئی صفات باقیہ سے موصوف تھے، ایسی صفات جو ہمیشہ باقی رہیں گی کیسے معزز ذات والے تھے۔

کان نور اللہ تطفی الباطل النوارۃ — مطفیا و ممحیاً ما اعظم سلطانہ

وہ اللہ کے نور تھے جس کی روشنیاں باطل کی ظلمت بجھاتی ہیں۔ ظلمت باطل کو بجھانے تھے، محو کرتے تھے۔ کیا عجیب قدرت رکھتے تھے۔

کان ذا مجد فلم یوجد لہ مثل ھنا — کان ذا قدر فما اعجب فقدانہ

وہ شرافت والے تھے۔ یہاں ان کی مثال موجود نہ تھی۔ وہ عظمت والے تھے، ان کی موت کیسی عجیب ہے۔

کان ذا البصیرۃ وکان ذا علم تقیٰ — کان ذا حلم فما احسن عرفانہ

وہ بصیرت، علم، اور تقویٰ کے مالک تھے — وہ پختہ کار تھے۔ کیا عجیب عقل رکھتے تھے۔

صار باکستان ذا نورٍ وذا فوزٍ بہ — کان ذا دین فما اعجب حرمانہ

ان ہی کی ذات بابرکات سے پاکستان منوّر اور کامیاب ہوا۔ وہ دین والے تھے۔ افسوس ہے کہ ہم محروم رہ گئے۔

باقی ص۲۸ پہ

نوحۂ غم بر وفات حضرۃ مفتی اعظمؒ

نالہ ریز حافظ محمد ابراہیم فانیؔ۔ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

★

آفتابِ علم و حکمت ضو فشاں جاتا رہا ... ملتِ بیضاء کا مخلص پاسباں جاتا رہا
سوئے علیین مخدومِ جہاں جاتا رہا ... مفتی محمود محمودِ زماں جاتا رہا

حیف مے خانہ تہی ہے گردشِ ساقی نہیں
بزم آرائی نہیں شوقِ جنوں باقی نہیں

آبروئے بزمِ گیتی نیّرِ صبحِ زمن ... واقفِ رمزِ سیاست شمعِ تہذیبِ کہن
پیکرِ صدق و صفا تھے گوہرِ یکتائے فن ... جن کی شخصیت تھی اپنی ذات میں اک انجمن

نازشِ محمودؒ و قاسمؒ آہ رخصت ہو گیا
مردِ مومن مردِ حق آگاہ رخصت ہو گیا

کوہِ استقلال و ہمت اے ہمالۂ وقار ... اے زعیم ملک و ملت حق شناس و حق شعار
تاجدارِ فقر تو صبر و رضا کے شاہکار ... حضرتِ شیخِ اسیرِ مالٹا[1] کی یادگار

بوذرؓ و سلمانؓ کی زندہ نشانی آپ ہیں
عزم و ہمت میں مجددِ الف ثانیؒ آپ ہیں

★

---

[1] اسیرِ مالٹا شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم السید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ۔

قسط ۲

جناب احمد عبداللہ صاحب۔ کراچی

انقلاب ایران

—— اسباب و نتائج ——

مذہب | مذہب کے متعلق ہم یہاں یہ ثابت کریں گے کہ ایران کے لوگوں نے نہ صرف سنّی اسلام قبول کیا تھا بلکہ وہ تقریباً نو سو سال تک سچے سنّی رہے، اس مدت کے دوران انہوں نے سنّی فقہ، دینیات، حدیث اور تفسیر کے تمام پہلوؤں کو تشکیل دیا اور اس کو ترتیب دیا۔ بلاشک یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ سنّی شریعت اور طریقت کی تمام تر وضاحت اور تفسیر زیادہ تر ایرانیوں نے کی ہے۔ جیسا کہ اس سے پیشتر تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ مذکورہ موضوع پر جن مصنفین نے کتابیں قلمبند کی ہیں وہ زیادہ تر ایران کے سنّی مسلمان تھے۔ چونکہ یہ موضوع جذباتی اثرات کا حامل ہے۔ اس لئے میں ایرانیوں کے مذہب کے متعلق حقیقت بیان کرنے کے لئے بیرونی عالموں کے اقتباسات پیش کروں گا۔

"اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں ایران میں سنّی عقیدے کا دور دورہ رہا۔ فی الحقیقت وہ خراسان تھا۔ جہاں سے دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی کے دوران سنیّت کا دینیاتی دفاع کیا گیا۔ ابتدائی صدیوں میں ایران سنّی اسلام کا ایک بڑا مرکز بن گیا تھا جس نے امام بخاریؒ، امام غزالیؒ اور امام فخر الدین رازیؒ جیسے مایۂ ناز عالم اور ماہرین دینیات پیدا کئے ہیں۔" (مطالعۂ تاریخ از اے۔ جے ٹوائن بی)

"یہ نظریہ کہ ایران شیعیت کا اصل گہوارہ تھا، بالکل بے بنیاد ہے۔ اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ جو لوگ زردشتی مذہب چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، انہوں نے عام طور پر شیعہ عقیدے کی بجائے سُنّی عقیدہ اختیار کیا۔ (ایران کی ادبی تاریخ از ای۔ جی۔ براؤن)

"اس کے بہت بعد کے زمانے میں ہلاکو خاں کے جانشینوں نے اسلام کا رافضیانہ تصور اختیار نہیں کیا بلکہ اس کا مروجہ سنّی عقیدہ اختیار کیا۔ تاج الدین اوجی جو کہ ایک انتہا پسند شیعہ تھا۔ ایران کے منگول حکمران الجائیتو کو اپنے عقائد میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔

"تغودر (احمد) خاں (۱۲۸۲-۴ء) اور غازان خان (۱۲۹۵-۱۳۰۵ء) ایران کے پہلے منگول حکمران تھے۔

جنہوں نے سنّی عقیدے کا اسلام قبول کیا۔ ۱۳۰۱ء میں غازان خان نے حکم دیا تھا کہ تمام بھکشی (منگول پادری) جو ایران میں رہائش رکھتے ہیں، انہیں صدقِ دل سے اسلام قبول کر لینا چاہیئے یا بصورتِ دیگر انہیں ملک چھوڑ دینا چاہیئے۔

"صفوی خاندان کے قیام کے وقت جبکہ شیعیت کو ایران کا سرکاری مذہب تسلیم کیا گیا تھا، ایران کے زیادہ تر لوگ سنّی تھے۔" (ای۔جی۔براؤن)

"سولھویں صدی میں صفوی شاہی خاندان کے قیام پر جبکہ شیعیت ایران کا سرکاری مذہب نہیں تھا سنّی عقیدے کے پیروکاروں کی اکثریت تھی۔" (عظیم صوفی کی سرزمین۔ از راجرا سٹیوننز)

"صفوی شاہی خاندان کے بانی شاہ اسمٰعیل نے شیعہ عقیدہ کو ایران کا سرکاری مذہب بنایا اور حکم دیا کہ مشتبہ عقیدہ یا سنّی عقیدے کا رجحان رکھنے والے مشہور بزرگوں کے مقبرے منہدم کر دیئے جائیں۔"

"ایران کا بادشاہ بننے کے بعد ایک سال کے اندر صفوی نے شیعہ اصول دین اپنی رعایا پر نافذ کر دیا۔ حالانکہ اس کے مشیروں نے اسے اس سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ اور کہا کہ لوگوں کی اکثریت سنّی ہے۔ صوفیوں کے متعلق اس نے ہر قسم کی سختی اور ایذا رسانی اختیار کی، جلاوطنی، ملک بدر کرنے، قتل یا سرکاری طور پر سرزنش کے ذریعے انہیں تنگ کیا۔ ان میں سے بہت سوں کو تہہ تیغ کر دیا یا جلا دیا۔ سنیوں کے متعلق اس نے نہایت سنگدلانہ سلوک کیا۔ اس نے ممتاز صوفیوں اور دانشوروں کو بھی نہیں چھوڑا صفوی شاہی خاندان کے تحت علم وفن، ثقافت، شاعری اور صوفیت ایران سے مکمل طور پر رخصت ہو گئے۔

"شاہ اسمٰعیل کو شیعہ اصولِ دین پھیلانے میں جسے وہ اپنی سلطنت کے طول و عرض میں نافذ کرنا چاہتا تھا، اساتذہ اور کتابوں کی دستیابی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے عرب شیعہ علماء کو دعوت دی جو زیادہ تر بحرین اور شام سے بلائے گئے تھے۔ (مطالعہ تاریخ جلد III اے۔جے ٹوائن بی)

"سولھویں صدی کے آغاز میں ایک نئے شاہی خاندان نے جسے آذربیجان کے ترک قبیلوں کی حمایت حاصل تھی، ایران فتح کیا، اور زوال پذیر شیعیت کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور اسے ایرانی سلطنت کے سرکاری مذہب کی حیثیت سے قائم کیا۔ عثمانیوں، وسطی ایشیا کے ترکوں اور مغلوں کے ساتھ جو سب کے سب سنّی تھے۔ جنگ کے طویل سلسلوں کے دوران شیعیت ایران کے قومی جذبات سے ہم آہنگ ہو گئی۔ ایران اور اس کے ہمسایہ ملکوں کے درمیان اس دوہرے انتشار کے نتائج سب کے لئے سنگین تھے اس چیز نے مسلمان برادری کو دو جداگانہ حصّوں میں تقسیم کر دیا جن کے درمیان کوئی موثر ثقافتی ربط خال خال بلکہ بہت مختصر تھا۔ اس صورتِ حال نے ایرانیوں کو سیاسی اور مذہبی علیحدگی پر مجبور کر دیا۔ جس نے بالآخر اس کی روحانی اور ثقافتی زندگی کو تہہ دست کر دیا۔ (محمدانزم از پروفیسر ایچ۔اے۔آرگب)

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شیعہ مذہب کے کسی بھی سلسلہ کی ابتدا ایران میں نہیں ہوئی اور نہ کسی ایرانی نے شیعہ مذہب پھیلانے میں پیشقدمی کی شیعہ مذہب کے بانی تمام تر عرب بالخصوص یمنی تھے۔ مزید برآں کوئی ایرانی شاہی خاندان جس نے ایران کے حصوں پر عباسی دور میں حکومت کی تھی، شیعہ نہیں تھا۔ طاہری، سفاری، زیاری، سامانی۔ یہ سب پکے سنی تھے۔ جہاں تک کہ خاندان بویہ کا تعلق ہے جو کہ شیعہ تھے، انہیں ایران کے لوگوں نے بحیثیت ایرانی قبول نہیں کیا تھا۔ اور انہیں دیلمی کے نام سے پکارتے تھے۔

صفوی اور ان کے ساتھی قزلباش ترکوں کو ایران کے لوگوں کی اکثریت کو شیعیت پر مجبور کرنے کے لئے دو سو سال لگے لیکن پھر بھی آبادی کا ایک طبقہ سنی عقیدے پر قائم رہا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب نادر شاہ نے جو افشار ترک اور سنی تھا، صفوی خاندان کے زوال کے بعد ۱۷۳۶ء میں ایران پر اپنی حکومت قائم کی تو وہ ایرانیوں کو سنی عقیدہ پر واپس لانا چاہتا تھا۔ اس نے تجویز کی کہ شیعیت کو اہل سنت کے پانچویں مکتبۂ فقہ کا درجہ دینا چاہئے جسے امام جعفرؒ کے نام پر جعفری فقہ کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ امام جعفرؒ چھٹے امام تھے جن کا سنی بھی احترام کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباس سے اس اہم موضوع پر روشنی پڑتی ہے۔

"نادر شاہ نے ایران کا تخت قبول کرنے کے ساتھ معاہدے میں اس بات کی صراحت کر دی تھی کہ ایرانی قوم شیعی رفض کو چھوڑ دے گی جو کہ صفوی شاہی خاندان کے بانی نے رائج کی تھی اور پھر مسلمہ عقیدہ پر واپس آجائے گی۔ اس موضوع پر اپنے فرمان میں نادر شاہ نے لکھا: چونکہ شیعیت کا یہاں دور دورہ رہا ہے، اس لئے یہ سرزمین متواتر بدنظمی کا شکار بنی رہی۔ ہم سب کو سنی بن جانا چاہیے جس سے یہ چیز خود بخود ختم ہو جائے گی۔" (تاریخ ایران از بریگیڈیر جنرل سر پرسی سائکس)

نادر شاہ کا یہ مشورہ اور تنبیہہ بڑی معنی خیز ہے اور موجودہ دور کے حالات میں اس پر کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں استحصال | عربوں اور ایرانیوں کے خوشگوار تعلقات، اسلامی مذہب اور سائنس کی ترقی میں ایران کا حصہ اور ایرانیوں کی نسل اور مذہب کے موضوعات پر اظہارِ خیال کرنے کے بعد ہم ایران کے حالیہ رونما ہونے والے واقعات کا جائزہ لیں گے۔ مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کرنے سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ موجودہ بحران دو خاص محرکات کا نتیجہ ہے۔

ا۔ بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں ایران کا غیر محدود اور بیباکانہ استحصال اور ب۔ ایران کو اسلام سے منحرف کر کے اسے لادینی ریاست بنانا۔ ان دونوں مقاصد کے حصول کے لئے شاہ کو آلۂ کار بنایا گیا۔ اس کردار کو شاہ نے بخوشی قبول کیا اور اسے وفاداری سے انجام دیا۔ ہم پہلے ہم پہلے محرک پر اظہارِ خیال کریں گے۔

یہ بات عام طور پر لوگوں کے علم میں ہے۔ کہ مغربی طاقتوں کے ہاتھوں مشرق کا استحصال اس وقت سے شروع ہوا جبکہ پندرھویں صدی کے اختتام پر واسکوڈے گاما نے راس امید کے گرد سمندری راستہ دریافت کیا۔ تاریخ کے اس مرحلہ پر یورپ غربت و افلاس اور جہالت کی زندگی بسر کر رہا تھا کیونکہ اس کے پاس محدود وسائل تھے اور ان فنی معلومات کا فقدان تھا جو فوری اقتصادی مشکلات پر قابو پانے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ابتداً پرتگالی اور ہسپانیوں اور بعد میں انگریز، ولندیزی اور فرانسیسی قوموں نے لوٹ مار اور تاخت و تاراج کی ایک پالیسی مرتب کی کہ جہاں کہیں اور جب کبھی سمندر میں یا ساحلی شہروں پر موقع ملے اس سے فائدہ اٹھائیں چونکہ زیادہ تر افروایشیائی ریاستیں بری طاقتیں تھیں، انہوں نے ساحلی علاقوں اور بحری راستوں کے دفاع کو نظر انداز کر دیا تھا جس کے باعث وہ ان نئے مہم آزماؤں کے لئے ایک آسان شکار بن گئیں۔

اس کے نتیجہ میں مشرقی افریقی ساحل سے جاپان تک سمندر کے راستے تجارت غیر محفوظ ہو گئی۔ تجارتی سامان سے لدے ہوئے جہاز لوٹے جانے لگے اور ساحلی شہروں کو انہوں نے اس بیدردی سے لوٹنا شروع کیا کہ وہ ایشیا میں "بحری لٹیرے" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ پندرھویں صدی کے اواخر سے موجودہ دور تک (بیسویں صدی کے اواخر) پانچ صدیوں کے عرصہ میں ان "بحری لٹیروں" کے کردار میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ وہ مشرق کا استحصال بے دھڑک طریقے سے کرتے رہے ہیں۔ البتہ وہ ہر دور میں اپنا روپ بدلتے رہے ہیں۔

موجودہ صدی کے وسط سے بڑی طاقتوں نے سامراجیت کا لبادہ اتار پھینکا ہے۔ اور (صنعتی طور پر) ترقی یافتہ قوموں کا روپ دھار لیا ہے اب وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے فوائد سے پسماندہ مشرق کو مستفید کریں گے اور اسے ایک ترقی پذیر اور خوشحال معاشرے میں تبدیل کر دیں گے۔ اس نئی حکمت عملی کی تفصیلات اس قدر عام ہیں کہ یہاں ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ اشارہ کرنا کافی ہے کہ صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں کے ہاتھوں مشرق کا استحصال اپنے نقطۂ عروج پر پہنچنے کے بعد ردعمل کا ہونا ناگزیر تھا۔ جو انتقامی شکل میں بروئے کار آیا ہے۔ ایران میں موجودہ شورش کو اسی سلسلے کی کڑی سمجھنا چاہئے۔

ایران کی تاریخ بالخصوص ۱۹۰۸ء میں تیل کی دریافت کے بعد سے ایک کمزور قوم کی درد بھری کہانی ہے۔ جو بیکسی کی حالت میں بیرونی لوگوں کے ہاتھوں اپنی دولت کے استحصال کا تماشا دیکھ رہی ہے جس میں اسے صرف معمولی فوائد حاصل ہوتے تھے۔ ایران کی تیل کی صنعت کا مختصر حال جو دلچسپ اور سبق آموز ہے، ہم یہاں بیان کریں گے۔ اس کا پس منظر جاننا ضروری ہے۔ کیونکہ تیل کی آمدنی اور مصرف کی کہانی کا اطلاق نہ صرف ایران پر بلکہ تمام تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک پر ہوتا ہے۔

ایران صدیوں سے آتشکدوں کی سرزمین کی حیثیت سے مشہور رہا ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں

پتہ چلا کہ یہ آگ زیر زمین تیل سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس زیر زمین دولت کا سراغ لگانے کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔ اس لئے کھدائی کا کام متعدد مقامات پر شروع کیا گیا اور بالآخر مئی ۱۹۰۸ء میں تیل کا ایک بڑا چشمہ صوبہ خوزستان میں مسجد سلیمان کے قریب ایک آتشکدہ کے قریب نکلا۔ اس کے بعد سے ایران کی سیاست پر برطانیہ کا تسلط رہا اور دوسری جنگ عظیم کے کچھ عرصہ بعد یہ ملک امریکہ کے زیر اثر آگیا۔

مشہور مصنف جان مارلو کے مطابق مشیر الدولہ کی حکومت کا تختہ ایک پُرامن انقلاب کے ذریعے الٹ دیا گیا تھا۔ اس کی ذمہ دار دو شخصیتیں تھیں ایک سید ضیاء الدین طباطبائی، جو برطانیہ کے حامی مشہور تھے اور دوسرے کوسک بریگیڈ کے کمانڈر رضا خان ۱۹۲۳ء میں رضا خان ایران کے وزیر اعظم بن گئے۔ ۱۹۲۵ء میں ان کے ایماء پر مجلس نے قاچار خاندان کے آخری حکمران احمد شاہ کو معزول کر دیا۔ اور رضا خان کے شہنشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ اسطرح ایک نئے خاندان (پہلوی) نے تخت طاؤس پر قبضہ کر لیا۔ (خلیج فارس از جان مارلو) اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ قاچار شاہی خاندان کا تختہ برطانیہ کے حامی عناصر نے الٹا تھا۔

رضا شاہ نے اقتدار پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد ایران کے بہت سے نیم خود مختار حکمرانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ مثلاً سب سے پہلے انہوں نے عربستان (موجودہ خوزستان) کے شیخ آف محمرہ کا قلع قمع کیا۔ اسی طرح دوسرے علیحدگی پسند گروہوں کے خلاف جنگ کی جو بلوچستان، آذربائیجان، کردستان، اور خراسان میں سرگرم عمل تھے۔ اس کے علاوہ ان متعدد قبائلی لیڈروں کے خلاف بھی کاروائی کی جو عام طور پر مرکزی اقتدار کے خلاف تھے۔ جب وہ پورے ایران پر مکمل کنٹرول کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بیرونی معاملات میں بھی آزاد حکمت عملی اختیار کر لی تو دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔ چونکہ رضا شاہ اتحادی طاقتوں کے احکامات کی پرواہ نہیں کرتے تھے اس لئے ان کو تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور کر کے ان کے کمزور بیٹے کو تخت نشین کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے شاہ ایران اینگلو امریکی طاقتوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا جو داخلی اور بیرونی دونوں معاملات میں ان کے احکامات پر عمل کرتا تھا۔

ایران کے عوام نے جو فطری صلاحیت کے حامل اور باشعور اور حساس ہیں، شاہ کے کردار کو جلد ہی محسوس کر لیا اور دوسری جنگ عظیم ختم ہونے کے چھ سات سال کے اندر ڈاکٹر محمد مصدق کی قیادت میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ پہلا مسلم رہنما تھا جس نے تیل کی صنعت کو قومی ملکیت میں لیا اور تیل پیدا کرنے والے ملکوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کی۔

"مصدق نے کامیابی کے ساتھ برطانوی سلطنت کی طاقت کو للکارا اور خلیج فارس میں ڈیڑھ سو سالہ برطانوی بالادستی کے خاتمے کا اعلان کیا۔" (خلیج فارس از جان مارلو)

چونکہ انگریز دوسری جنگ عظیم کے بعد کمزور ہوگئے تھے اور اس نئی صورتحال سے نمٹ نہیں سکتے تھے محب وطن طاقتیں شاہ کا تختہ اُلٹنے میں کامیاب ہوگئیں جسے ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس مرحلہ پر امریکہ نے مداخلت کی اور وہ سی آئی اے اور ایرانی فوج کی مدد سے مصدق کو ہٹانے اور شاہ کو دوبارہ تخت پر متمکن کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ امریکی ہفتہ وار ٹائم، مورخہ ۲۰ نومبر ۷۸ء کے مطابق ۱۹۵۳ء میں سی آئی اے نے پھر شاہ کو برسر اقتدار کر دیا مصدق کی برطرفی اور شاہ کے اقتدار پر بحالی کا سب سے اہم اثر یہ تھا کہ ایران ناقابل تنسیخ طور پر مغربی طاقتوں کا ہمنوا بن گیا۔

۱۹۵۳ء کے اس تلخ تجربہ کے بعد جو امریکیوں کو باشعور ایرانیوں سے حاصل ہوا تھا، انہوں نے کوئی خدشہ مول نہیں لیا۔ امریکہ نے بدنام ساوک کو منظم کرنے میں مدد دی تاکہ محب وطن عناصر کو کچل سکے۔ شاہ کی حفاظت اور سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے اس تنظیم کو بے انتہا مستحکم کیا۔ اور اپنی پالیسیوں کو کامیابی سے چلانے کے لئے نوکر شاہی کو مغرب کے حامی عناصر سے بھر دیا۔ انتہا یہ کہ سی آئی اے کے ایک سابق ڈائریکٹر کو سفیر کی حیثیت سے مقرر کیا گیا تاکہ وہ اس ملک میں اپنی گرفت مضبوط کر سکیں۔ اس طرح ایران کو مکمل طور پر ایک محکوم اور حاشیہ بردار ریاست میں تبدیل کر دیا تاکہ اس کا اپنی مرضی کے مطابق استحصال کیا جائے۔ اور مغربی تسلط کو چیلنج کرنے کے لئے کسی دوسرے مصدق کو ابھرنے کا موقع نہ ملے۔

گذشتہ ایک ربع صدی (۷۸-۱۹۵۳ء) تک بیرونی طاقتیں ایران کو تیل فراہم کرنے والے ملک کی حیثیت سے اور اپنے اسلحہ اور صنعتی اشیاء کی فروخت کے لئے مارکیٹ کے طور پر استعمال کرتی رہی ہیں اس دوہرے استحصال کی حد کا اندازہ ایران کی تیل کی آمدنی کے اعداد و شمار اور اس کے اخراجات کے اندازے سے ہوتا ہے۔ یہ کہنا درست نہیں کہ تیل پیدا کرنے والے ممالک تیل کی قیمتوں اور اس کی آمدنی پر کوئی کنٹرول رکھتے ہیں۔ بلکہ اصل میں بڑی بڑی تیل کمپنیاں ہیں جو حقیقی طاقت رکھتی ہیں۔ امریکی ہفت روزہ "نیوز ویک" مورخہ ۲۳ جولائی ۷۷ء کے درج ذیل اقتباس سے اس نکتہ کا ثبوت ملتا ہے۔

"یورپی اور امریکی مفادات تیل کے وسیع سمندروں کو کنٹرول کرتے ہیں جو خلیج فارس میں اور اس کے ارد گرد پائے جاتے ہیں۔ وہ اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کتنا اور کہاں تیل نکالا جائے گا۔ اس کے علاوہ یکطرفہ طور پر قیمتوں کا تعین کرتے ہیں۔ یہ تیل کمپنیاں حکومت کی حمایت اور مخالفت میں بھی سرگرم عمل رہی ہیں۔"

ایران کی تیل کی پیداوار اوسطاً ۶۵ لاکھ بیرل یومیہ رہی ہے جس سے چوبیس (۲۴) ہزار ملین ڈالر سے زائد سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ یہ بھاری رقم سمجھدار طریقے سے ایران کے عوام کے بہترین مفاد میں خرچ کرنے کی بجائے منصوبہ کے تحت صنعتی ملکوں کے فائدے کے لئے صرف کی جاتی تھی۔ اخراجات کی خاص مدات جو ذیل میں درج ہیں اس دعوے کو ثابت

کرتی ہیں :

۱۔ مغربی ممالک سے اسلحہ کی خریداری۔ ۲۔ مغربی کمپنیوں کی مشاورتی فیس۔
۳۔ مغربی مشیروں اور فنی ماہرین کی تنخواہیں۔ ۴۔ مغربی ایجنسیوں کو دئیے جانے والے بڑے بڑے ٹھیکے۔
۵۔ مشینری اور مشین کے پارٹس کی درآمدات جو زیادہ تر مغرب سے کی جاتی تھیں۔
۶۔ تعمیراتی سامان کی درآمد جو زیادہ تر مغرب سے درآمد کیا جاتا تھا۔
۷۔ اشیائے صرف کی درآمد۔ یہ بھی زیادہ تر مغرب سے کی جاتی تھی۔

مذکورہ مدات پر اخراجات کی حد اور رفتار کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ ۷۵-۱۹۷۱ء کے درمیان ایران کے دفاعی اخراجات دس گنا بڑھ گئے۔ (اکنامسٹ، لندن مورخہ ۲۸ اگست ۷۶ ۱۹ء)

ٹائم مورخہ ۴ دسمبر ۷۸ ۱۹ء کے مطابق: "۷۶ ۱۹ء تک حکومت ایران تیل کے متوقع منافع پر پہلے ہی تقریباً پچاس ہزار ملین ڈالر قرض لے چکی تھی تاکہ وہ یہ رقم فوجی سامان، بندرگاہ کی توسیع، سڑکوں، ریلویز وغیرہ پر خرچ کر سکے۔

اسی طرح بعض اسکیموں میں کئے جانے والے بھاری اخراجات بھی ناقابل یقین ہیں۔ پچھلے سال فرانس سے آبدوز کشتیوں کی خریداری کے لئے ۳/۱ ہزار ملین ڈالر مختص کئے گئے۔ ٹیلی کمیونیکیشن کے نظام کی تجدید پر اخراجات کا تخمینہ سولہ ہزار ملین ڈالر اور تہران۔ پرشین گلف چھ قطاری سپر ہائی وے اور ریل روڈ کو الیکٹریفکیشن کے پروگرام پر بیس ہزار ملین ڈالر لاگت کا اندازہ لگایا گیا تھا۔

ٹائم مورخہ ۲۰ نومبر ۷۸ ۱۹ء کا ایک اور اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ "امریکہ نے حالیہ سالوں میں شاہ کو نہ صرف دس ہزار ملین ڈالر کی مالیت کا اسلحہ فروخت کیا ہے۔ بلکہ اس نے دو ہزار ملین ڈالر سالانہ سے زیادہ رقم کی خوراک، تعمیراتی سامان اور خدمات فروخت کرتا ہے۔" امریکی آرمز کنٹرول اور تخفیف اسلحہ ایجنسی کے مرتب کردہ اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ "۷۵ ۱۹ء میں ایران نے امریکہ سے جو اسلحہ درآمد کیا اس کی قیمت عراق، افغانستان، پاکستان، بھارت، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، عمان، بحرین اور کویت سب نے مل کر جو اسلحہ درآمد کیا اس سے بھی زیادہ ہے۔ سینٹ فارین ریلیشنز کمیٹی کی ۷۶ ۱۹ء کی ایک رپورٹ کے مطابق:

" امریکہ دنیا کے تمام ممالک کے مقابلے میں ایران کو زیادہ اسلحہ فروخت کرتا ہے۔ (اسلحہ اور شاہ از یزلی ایم پراتیور، فارین پالیسی، موسم گرما ۷۸ ۱۹ء) ہنری کیسنگر کے الفاظ میں "بیرونی پالیسی کے مجموعی خاکہ میں اسلحہ کی درآمدات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔"

اس کے علاوہ امریکی تیل کی کمپنیاں ایران کا گیارہ ہزار ملین ڈالر مالیت کا تیل سالانہ بھیجتی ہیں اور اس سے منافع

حاصل کرتی ہیں۔ مئی ۱۹۷۵ء میں ایران نے امریکہ سے ایک تجارتی معاہدہ کیا جس کے تحت وہ پندرہ ہزار ملین ڈالر کی مالیت کا امریکی سامان خریدنے کا پابند تھا۔ اس کے متعلق کسنگر نے کہا تھا کہ یہ تاریخ کا سب سے بڑا تجارتی معاہدہ ہوا تھا جس کے تحت امریکہ کو ایران میں جوہری توانائی کے سات کارخانے قائم کرنے تھے۔ ایران میں امریکہ کی ۵۰۰ کمپنیاں کام کر رہی تھیں جن میں ۲۵ ہزار سے زائد امریکی بڑی تنخواہوں پر ملازم تھے جس کے علاوہ امریکہ میں ان کمپنیوں کی آمدنی اور منافع سے ہزاروں لوگ مستفید ہو رہے تھے۔

ایران نہ صرف امریکی اسلحہ اور تجارتی اشیاء کے لئے ایک مارکیٹ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بلکہ برطانیہ مغربی جرمنی اور فرانس بھی اپنی ضروریات کے مطابق ایران کی تیل کی آمدنی کو استعمال کرتے تھے تاکہ اپنے توازنِ ادائیگی کو بہتر بنائیں، اپنی اسلحہ کی صنعت کو فروغ دیں، اپنی کمزور فرموں کو مالی سہارا دیں اور جہازرانی بنک کاری اور انشورنس کی خدمات کے ذریعے اپنی آمدنیوں میں اضافہ کریں۔ اس طرح ان کی معیشت کے ہر پہلو کو تقویت حاصل ہو رہی تھی۔

لیکن اس عمل میں ایران کی معیشت پر اس تیز رفتاری سے بوجھ پڑ رہا تھا کہ وہ دم توڑنے لگی۔ افراطِ زر کی شرح پچاس فیصد سالانہ تک بڑھ گئی۔ بندرگاہیں سرگرمیوں کی متحمل نہ ہو سکیں جس سے انشورنس اور جہازرانی کی لاگت زیادہ ہو گئی۔ بدعنوانی اور دولت کی غیر مساوی تقسیم شدید بے اطمینانی کا باعث ہوئی، بیرونی لوگوں کی بھاری تعداد میں آمد نے جنہیں بڑی تنخواہیں دی جاتی تھیں، مکانات کا مسئلہ پیدا کر دیا اس طرح تیل کی دولت سے ایران کے عوام کو کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل ہونے کی بجائے اس نے ملک میں ابتری اور پراگندگی پھیلا دی جس سے متوسط اور نچلے طبقوں کو سخت نقصان پہنچا چنانچہ معیشت کی صورتحال اس مرحلہ پر جا پہنچی کہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں ایران اپنے وسائل سے زیادہ خرچ کر رہا تھا۔ اور وہ ایک مقروض ملک کی حیثیت میں تبدیل ہو گیا تھا۔

ان حالات نے ناگزیر طور پر استحصال کرنے والے ملکوں کے خلاف شدید ردعمل پیدا کیا۔ موجودہ جدوجہد کے دوران جو بعض نعرے لگائے جا رہے ہیں وہ اس بحران کے اسباب کی نشاندہی کرتے ہیں۔ نعرے یہ ہیں:

"امریکہ ایران کو اسکی تیل کی دولت سے محروم کر رہا ہے اور روس اسکی گیس کی دولت سے۔"

"بیرونی لوگو! ایران چھوڑ دو یا تباہی کا سامنا کرو۔"

"امریکی شاہ مردہ باد۔"

اسی طرح بنکوں، بیرونی فرموں اور بڑے ہوٹلوں پر حملوں سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ایرانی عوام استحصال اور اقتصادی دیوالیہ پن کے خلاف کس قدر مشتعل ہو گئے ہیں۔ بدقسمتی سے مغربی پریس انقلاب ایران کے اس پہلو سے چشم پوشی کر رہا ہے اور گمراہ کن اطلاعات دے رہا ہے کہ شاہ ترقی پذیر پروگرام کی وجہ سے اپنی

باقی ص ۴۵ پر
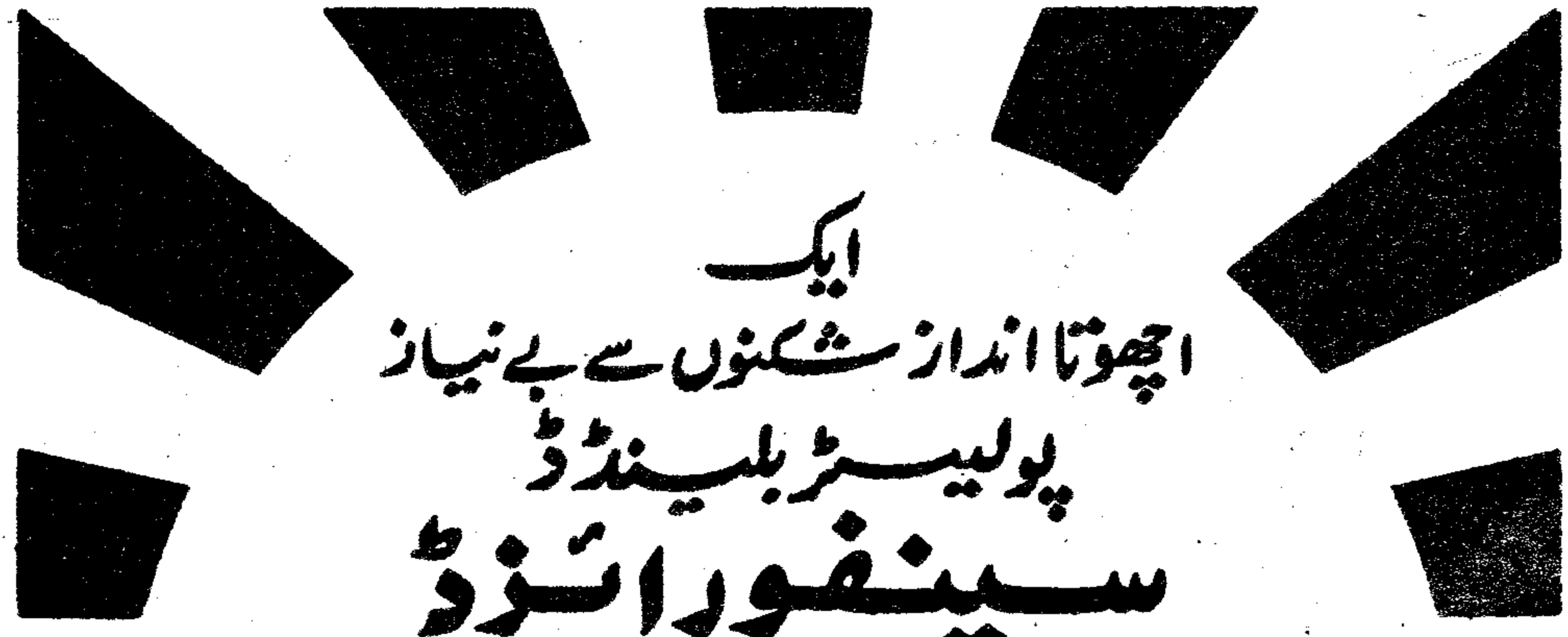
ایک

اچھوتا انداز شکنوں سے بے نیاز

پولیسٹر بلینڈڈ

سینفورائزڈ

فیبرکس

شنگریلا ایس کیو ۷۷۷۷

شرٹنگ کے لئے اعلیٰ بلینڈڈ آئرش لینن

فلیمنکا ایس کیو ۱۰۰۵

پیما کاٹن اور جرمن پولیسٹر فائبر سے تیار کردہ پولیسٹر لان

کینڈل اسٹار ایس کیو ۱۰۰۸

پولیسٹر کاٹن شرٹنگ

الکازار ایس کیو ۱۰۰۳

پولیسٹر کاٹن شر

نقل سے ہوشیار رہیئے

قابل اعتماد استاد فیبرکس ہی خریدیں
جو تمام بڑی دکانوں کے علاوہ مندرجہ ذیل پتہ
پر بھی دستیاب ہے۔

میسرز ایچ سلیمان اینڈ کمپنی

نیو نیہام روڈ سراج کلاتھ مارکیٹ کراچی
فون نمبر: ۲۲۹۸۵۸ — ۲۲۶۹۶۶
ٹیلیگرام: — "حاصل"

بہترین پاپلین بنانے والے

Star

اسٹار ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر ۴۴۰۰ کراچی نمبر ۲
ٹیلیفون نمبر ۲۳۸۱۳۱/۲ تار کا پتہ "بلیو اسٹار"

STM-1/78 CCI (Crescent)

کھانا آپ کچھ ہی کھائیں کھانے کے بعد کارمینا کی ۲ یا ۳ ٹکیاں مفید ہیں۔
کارمینا
بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، تیزابیت وغیرہ کا اچھا علاج ہے۔
ہمدرد
carmina
کارمینا ہمیشہ گھر میں رکھیے
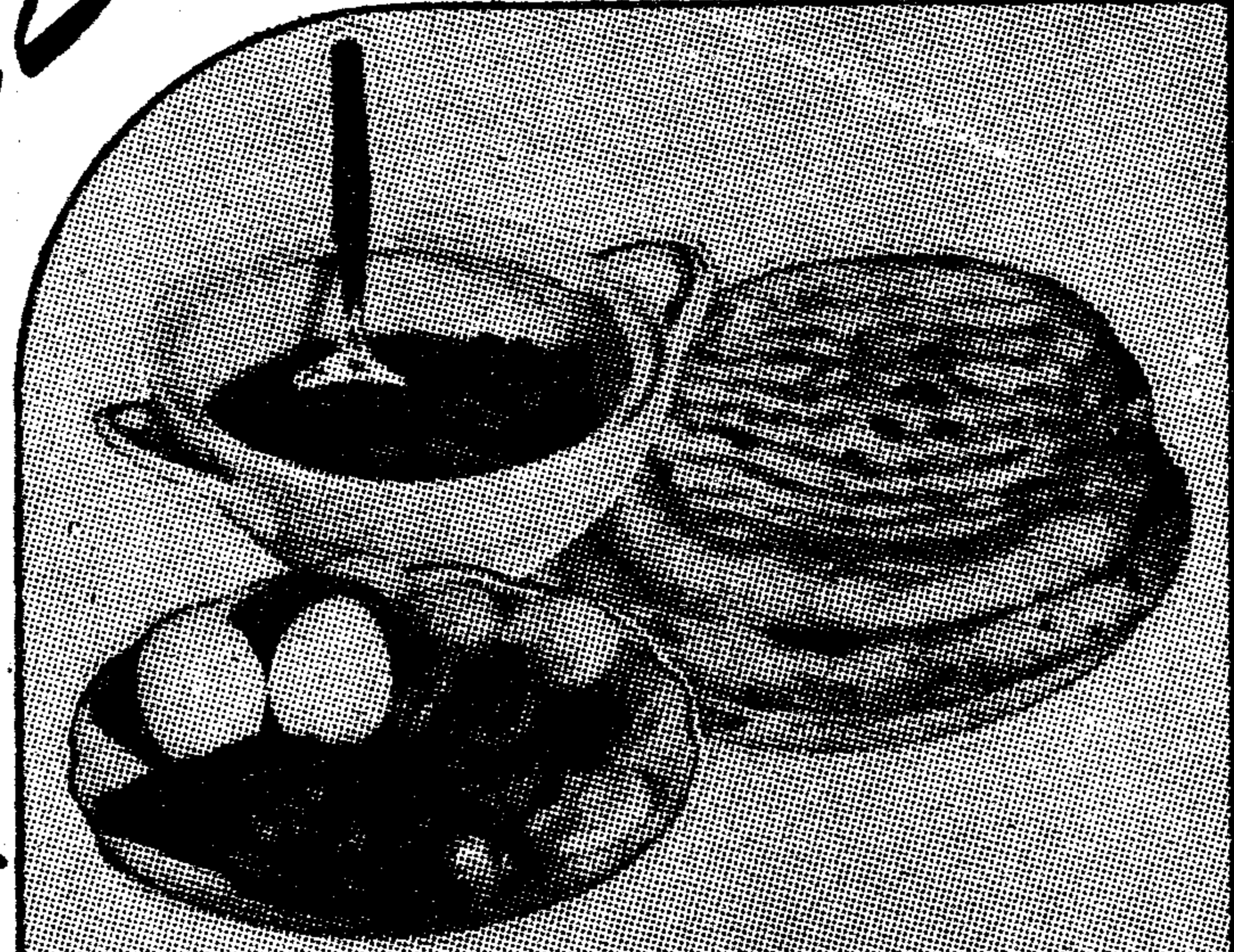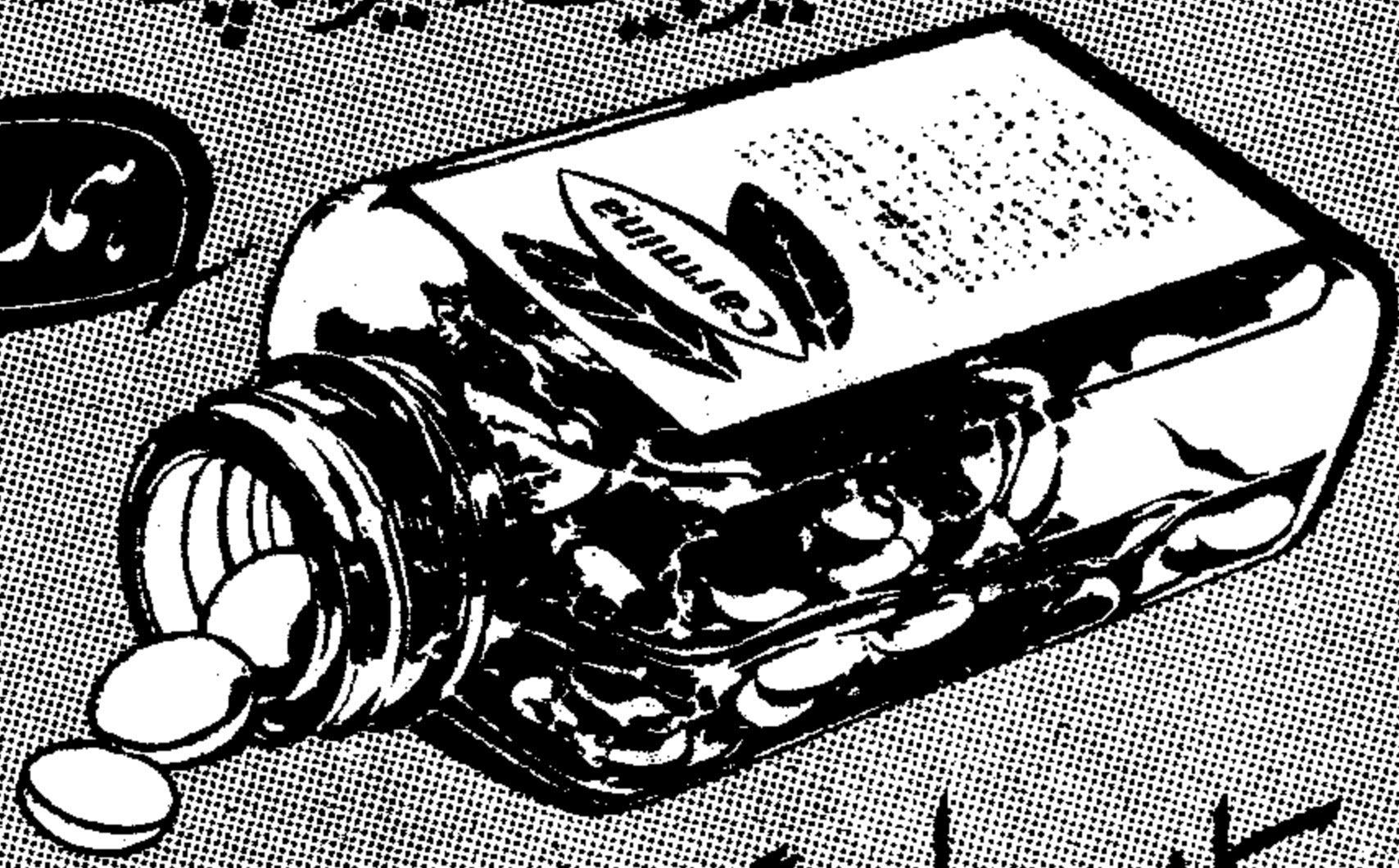
از مولانا عبدالرؤف رحمانی ۔ ناظم جامعہ سراج العلوم
جھنڈا نگر۔ نیپال

قرآن کریم کے فضائل و نشر و اشاعت اور رابطۂ عالم اسلامی مکّہ مکرّمہ کی خدمات

ماہ مبارک کی مناسبت سے قرآن کریم کی عظمت و ترببت اور اس کی صداقت و حقانیت اور اس کی تلاوت و تدبّر سے متعلق حسب ذیل نصوص قرآنی ملاحظہ فرمائیں۔

دنیا کی مذہبی تاریخ سے اس بات کا ثبوت آج تک نہیں ملا کہ کسی امت نے اپنی آسمانی کتاب کے ساتھ اس طرح کا تعلق رکھا ہو جس طرح امت مسلمہ نے اپنی کتاب (قرآن کریم) کے ساتھ رکھا ہے۔ ہم نے کسی مقدس کتاب کے متعلق اب تک نہیں سنا کہ اس کی طباعت و اشاعت، تلاوت و حفظ کا اس قدر اہتمام کیا گیا ہو جس طرح قرآن مجید کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اللہ نے قرآن کریم کے ساتھ اپنی حفاظت و رعایت کا وعدہ قطعی طور سے فرمایا ہے۔

۱۔ ارشاد ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون ۔ سورہ حجر پ ۱۴ ۔ ترجمہ ۔ اللہ فرماتا ہے کہ ہم نے ہی ذکر (قرآن کریم) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

۲۔ قرآن کریم کی تلاوت کا حکم یوں دیا گیا ہے " اتل ما اوحی الیک من الکتاب و اقم الصلوٰۃ سورہ عنکبوت پ ۲۱ ۔ اے نبی پاک جو کچھ آپ کی جانب وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے اور میری یاد کی خاطر نماز قائم کیجئے دوسری جگہ یوں وارد ہے۔" و امرت ان اکون من المسلمین و ان اتلو القرآن "۔ کہ مجھ کو مسلمان ہونے اور قرآن کی تلاوت کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں کی مدح سرائی کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے ان الذین یتلون کتاب اللہ و اقاموالصلوٰۃ و انفقوا مما رزقنٰھم سرًّا و علانیہ یرجون تجارۃ لن تبور۔

۴۔ " تلاوت قرآن کے وقت سماع کا حکم اور سماعت پر رحم و کرم کا وعدہ اس طرح کیا گیا ہے " و اذا قری القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون " سورہ اعراف پ ۹ ۔ جب قرآن خوانی ہو رہی ہو تو خوب دھیان سے

سنو ہو سکتا ہے کہ تم پر رحم کیا جائے۔

۵۔ آیات قرآنیہ کے معانی و مفاہیم میں غور و خوض کے بابت یوں وارد ہے۔ " افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیراً " لوگ قرآن کے بارے میں غور و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے۔ اگر اس کا نزول غیر اللہ کی جانب سے ہوتا تو یقیناً اس میں کافی اختلافات پائے جاتے۔ ایک جگہ اور ارشاد ہے کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولی الالباب۔ سورہ ص پ ۲۳۔ اے نبی پاک! ہم نے آپ کی جانب ایک بابرکت کتاب نازل کی تاکہ عقل والے اس کی آیات میں غور و خوض کریں۔ اور نصیحت حاصل کریں۔

۶۔ اللہ نے قرآن کریم کی خاص خصوصیت یہ بتائی ہے کہ وہ تمام انسانوں کی ہدایت و رہبری کرتا ہے۔ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم ، سورہ بنی اسرائیل پ ۱۵۔ قرآن سیدھے اور مستحکم راستے کی طرف رہبری کرتا ہے۔

۷۔ اللہ نے قرآن کریم کی ابدی صداقت و حقانیت سے متعلق ارشاد فرمایا ہے " لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید " سورہ حم سجدہ پ ۲۴۔

مولانا ظفر علی خاں لاہوری نے دیگر آسمانی کتابوں کے مقابلے میں قرآن کی حقانیت و ابدی صداقت کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

؎ چل رہے پطرس مٹ گئے مرقس مر گئے متی مٹ گئے لوقا جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

قرآن کی نشر و اشاعت اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مساعی جمیلہ

۱۔ رابطہ نے قرآن کریم کی نشر و اشاعت کا ایک ادارہ قائم کیا ہے۔

۲۔ دوسرا ادارہ تصحیح مصاحف کا قائم کیا ہے جو مصاحف کے مسودات و پروف کو پڑھ کر اس کی صحت کا اہتمام کرتا ہے۔

۳۔ تیسرا وہ ادارہ ہے جس میں قرآن کریم کے ترجمے مختلف زبانوں میں کئے جاتے ہیں۔ انگریزی۔ فرانسیسی اور جاپانی وغیرہ زبانوں میں تراجم کئے جا چکے ہیں۔ اس کے اخراجات جلالۃ الملک فیصل شہید کے فنڈ سے اور جلالۃ الملک شاہ خالد کی شاہانہ مدد سے پورے کئے جاتے ہیں۔ لاکھوں قرآن کریم کے تراجم مختلف زبانوں میں طبع ہو کر تقسیم کئے جا چکے ہیں۔

۴۔ اسی طرح ایک ادارہ حفظ قرآن کا بھی قائم ہے جس سے قرآن کریم کے مدرسین، قاری و حافظ پیدا ہوتے ہیں۔

۵۔ رابطہ حفاظ قرآن کریم کے ساتھ مسلسل اپنا ربط و ارتباط رکھتا ہے۔ اور سعودیہ عربیہ کے تمام شہروں۔ ریاض و مکہ وغیرہ کے حفاظ کے ساتھ اپنی مادی و معنوی مساعدات کو مکمل طور سے پیش کرتا ہے۔

۶۔ اسی طرح رابطہ شیخ یوسف (پاکستان) کے قائم کردہ تحفیظ قرآن کے ادارہ کے ساتھ بھرپور مدد کرتا ہے جس کی شاخیں ایشیا اور افریقہ تک پھیلی ہوئی ہیں۔

۷۔ اسی طرح رابطہ نے سینکڑوں قاری اور حافظ صاحبان کو یوگنڈہ۔ کینیا۔ نائیجیریا وغیرہ میں روانہ کیا ہے اور

مزید قاریوں کا مطالبہ سوڈان۔ مالدیپ۔ شمالی امریکہ اور بعض دول یورپ سے کیا گیا ہے۔

ان تمام خدمات وواجبات کی انجام دہی وتکمیل میں جلالۃ الملک خالد وامیر فہد بن عبدالعزیز ولی عہد مکرم کا سب سے بڑا حصہ ہے تمام اہل اسلام اور ان کے قائدین اور تمام اسلامی سوسائٹیوں کی طرف سے ان تمام شاہانہ عنایات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی حیات وصحت کو تادیر قائم رکھے۔ آمین

اس کے ساتھ ہی وزیر حج واوقاف معالی الشیخ عبدالوہاب عبدالواسع کا شکر و سپاس بھی ضروری ہے جنہوں نے مجلس تحفیظ القرآن کے پروگرام میں شریک ہوکر اپنے قیمتی اوقات کو یہاں خرچ کیا۔ اور اس مبارک وخیر سے معمور محفل کی سعادتوں کو حاصل کیا۔ بارک اللہ

نوٹ۔ یہ مضمون اخبار العالم الاسلامی ۲۶ رجمادی الاول ۱۳۹۹ھ کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ یہ پوری تقریر فضیلۃ الشیخ محمد علی الحرکان الموقر کی ہے۔ جو انہوں نے مجلس حفظ قرآن میں ارشاد فرمائی تھی ؛؛

بقیہ۔ انقلاب ایران

مقبولیت کھو بیٹھے ہیں۔ اور یہ کہ ملاؤں کا طبقہ ان کی مخالفت کر رہا ہے، کیونکہ شاہ نے مذہبی ٹرسٹوں کی زمینوں سے انہیں محروم کر دیا تھا افسوس ہے کہ مغربی اخبارات اور ذرائع ابلاغ جو اپنے آزاد اور غیر جانبدار ہونے پر فخر کرتے ہیں ہمیشہ یکطرفہ خبریں دینے کے عادی رہے ہیں۔ چونکہ استحصال کے پہلو کو پیش کرنے سے مغربی ممالک کے چہروں سے نقاب اٹھ جاتا ہے اس لئے انہوں نے یہ گمراہ کن پروپیگنڈہ شروع کیا کہ اسلام اور مسلمان ترقی کے مخالف ہیں اس لئے علماء ایران نے شاہ کی مخالفت کی۔ بہر حال حقیقت زیادہ عرصہ چھپ نہیں سکتی اب وہ کھل کر سامنے آگئی ہے۔

بقیہ :۔ تعزیتی خطوط

● ــــ علاقہ الائی بالا تحصیل بٹگرام کے ممتاز عالم اور دارالعلوم حقانیہ کے جید فاضل مولانا خلیل اللہ حقانی کی دعوت الخلیل لائبریری روپ کنی الائی بالا میں فضلاء دارالعلوم حقانیہ اور علاقہ کے سیاسی کارکنوں مشائخ وغیرہ کا تعزیتی اجلاس منعقد ہوا مولانا خلیل اللہ حقانی نے تعزیتی خطاب میں کہا کہ عالم اسلام ایک بلند پایہ لیڈر، مفکر اور صاحب عزیمت عالم سے محروم ہو گیا۔ بعد میں ایصال ثواب کیا گیا۔

روپ کنی الائی بٹگرام
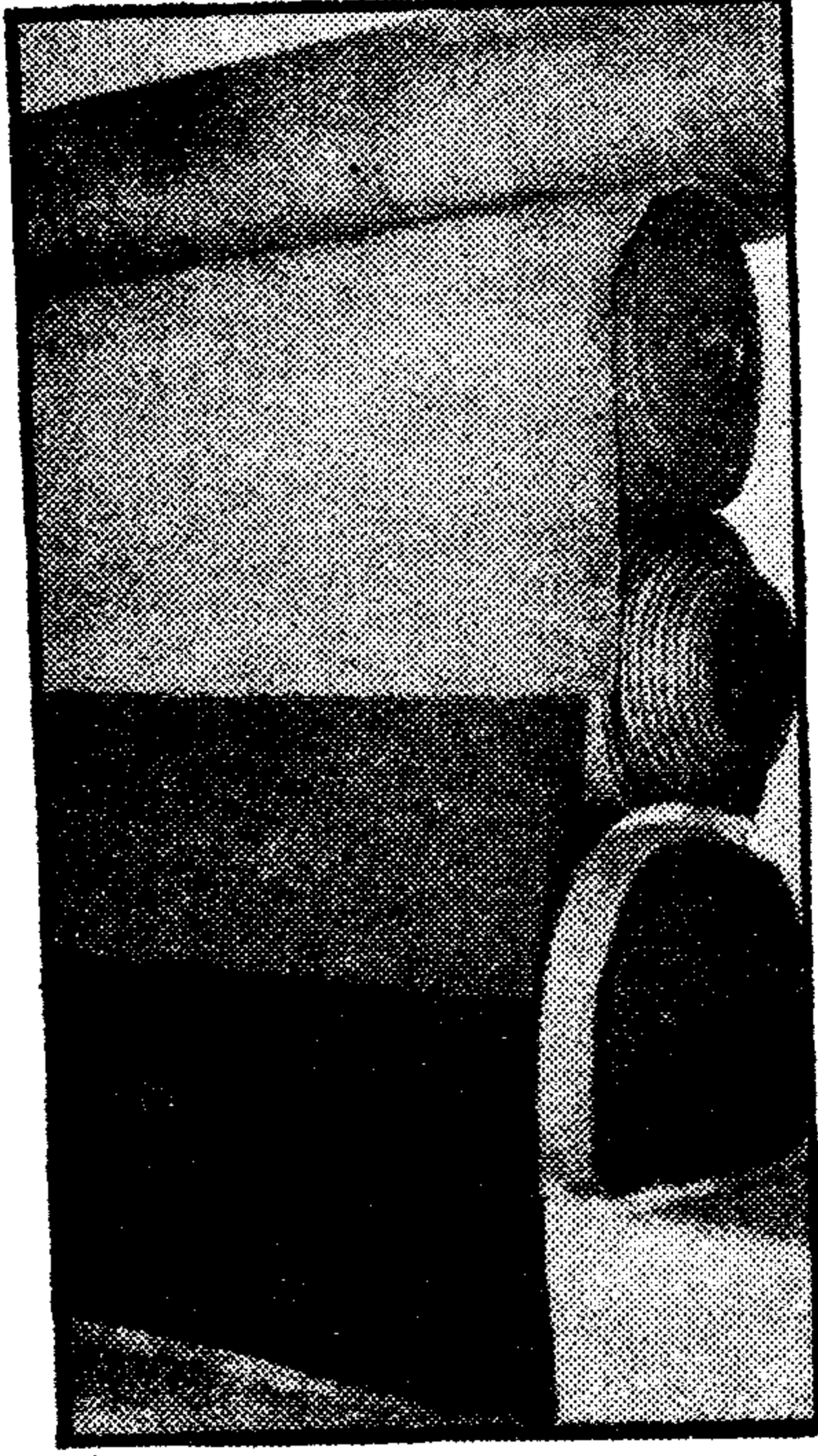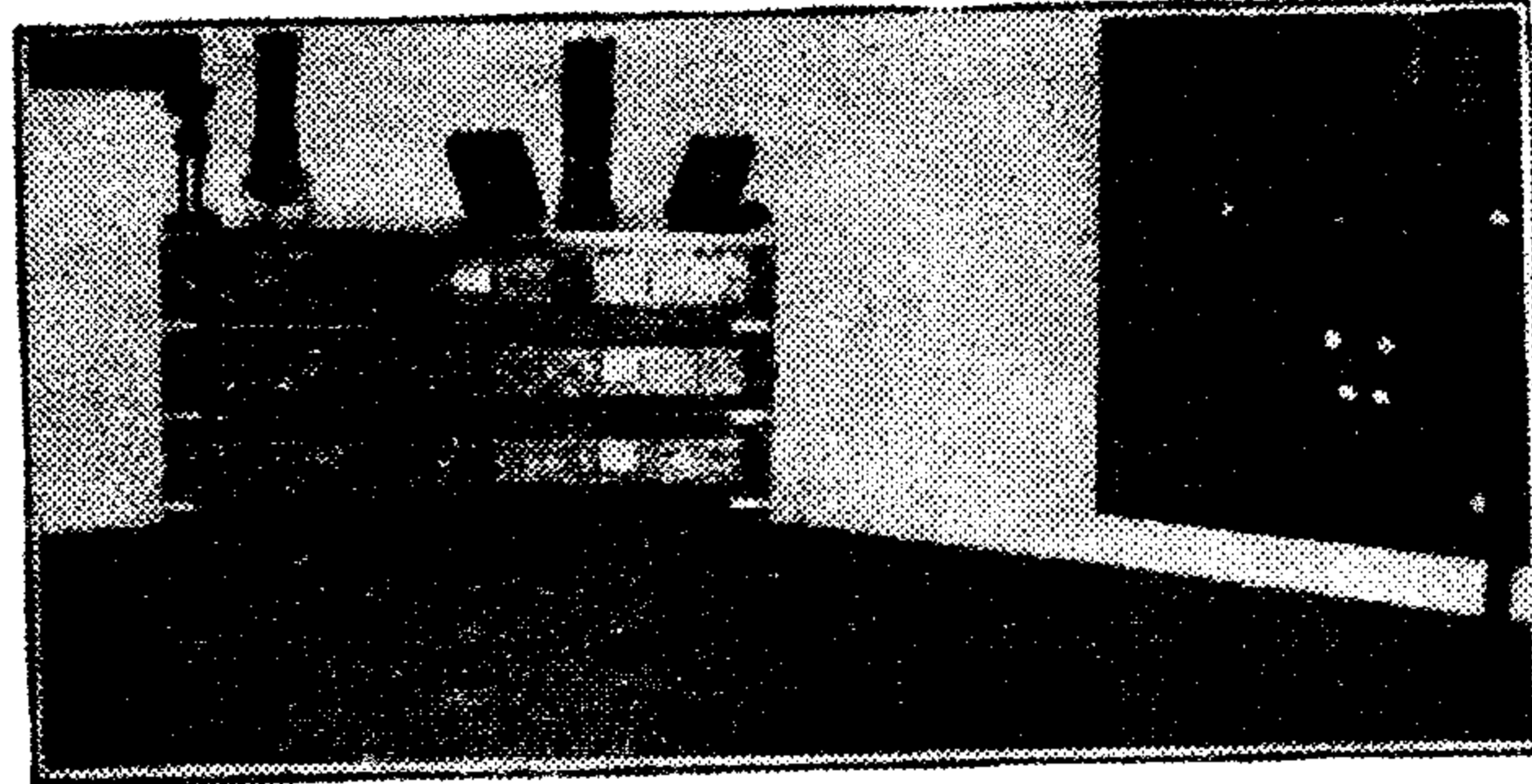
محمد اقبال صاحب قریشی، ہارون آبادی

معارفِ اشرفیہ

بروایت حضرت مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری، خلیفہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

اللہ والوں کی مخالفت اور ایذا رسانی کا انجام | حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ والوں سے بدگمانی کبھی نہ کرنی چاہیے۔ اور نہ ان کے کوئی تکلیف دہ معاملہ کرنا چاہیے۔ اللہ والوں کو تکلیف دینے والا آدمی بہت جلد مبتلائے قہر ہو جاتا ہے۔ اور حضرت مرشدی اس حدیث سے استدلال فرماتے تھے۔ کہ ایک بار حضرات صحابہؓ میں اس امر کے متعلق اختلاف ہوا کہ آپ کو کوئی دوا پلائی جاتے یا نہیں۔ جب کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم نزع طاری تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا پینے سے انکار فرما دیا تھا۔ اور پھر غشی طاری ہو گئی تھی بعض اصحابؓ نے یہ اجتہاد کیا کہ یہ انکار ایسا ہی ہے جیسا کہ مرض شدت میں ہر انسان غیر ارادی طور پر غفلت اور بے ہوشی میں دوا پینے سے انکار کر دیتا ہے۔ اور بعض اصحابؓ نے اجتہاد کیا کہ نہیں آپ نے جو حکم فرمایا ہے اس کی تعمیل ہونی چاہیئے۔ عام طبائع پر آپ کو قیاس کرنا مناسب نہیں ہے [۵]

عقل اور عشق | حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ شیطان سالک محض تھا۔ مجذوب نہ تھا۔ نری عقل کا راستہ خطرناک ہوتا ہے۔ قصور شیطان سے بھی ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام سے بھی ہوا۔ لیکن شیطان نے چون و چرا اور اعتراض کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا فرمایا اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے۔ اور دوسرا مقدمہ اس کے دل میں مخفی تھا۔ یعنی آگ افضل ہے مٹی سے۔ پس فاضل سے مفضول کے لئے ایسا ادب کیوں تجویز کیا گیا۔ اس نالائق کو یہ نہ سوجھی کہ امر الٰہی کا ادب کیا ہے بندے کا کام بندگی اور سرافگندگی ہے نہ کہ سرکشی اور روگردانی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے قصور کی کوئی تاویل نہیں کی کہ مثلاً شیطان نے مجھے

---

۵ بقول عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ تو برائے بندگی ہے یاد رکھ۔ بہر سرافگندگی ہے یاد رکھ۔ احقر قریشی

۵ معرفت الٰہیہ صہ ۱۵۱

دھوکہ دیا۔ یا میں آپ کے حکم کو بھول گیا۔ پس عتاب ہونا تھا۔ ندامت سے گر گئے۔ اور فوراً عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم سے قصور ہوگیا اگر آپ نہ بخشیں گے اور ہمارے اوپر رحم نہ فرمائیں گے تو ہم بڑے ٹوٹے میں پڑ جائیں گے۔ اس کو حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں کہ محبت اور عبدیت نیک لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔

داند آں کو نیک بخت و محرم است — زیرکی ز ابلیس از آدم است

عقل ناقص کا ظہور ابلیس سے ہوا اور عقل کامل یعنی عقل مع المحبت کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا

ربنا انا ظلمنا گفت و آہ — یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

حضرت آدم علیہ السلام نے ربنا ظلمنا عرض کیا اور آہ کھینچی کہ ظلمت آئی اور راستہ گم ہوا پھر حق تعالیٰ نے آپ کی ندامت یعنی توبہ قبول فرمائی اور آپ کو تاج خلافت سے نوازا۔ اور ابلیس لعین ہمیشہ کے لئے مردود ہوا۔

مثنوی کے الہامی ہونے پر مولانا رومی کے ایک شعر سے اشارہ

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومی کے ایک شعر سے اشارہ ملتا ہے۔

چوں فنا از روزن دل آفتاب — ختم شد واللہ اعلم بالصواب

مولانا روم فرماتے ہیں کہ دل میں جس دریچہ باطنی سے واردات غیبیہ علوم اور معارف کے آرہے تھے اب بحکمت خداوندی وہ آفتاب افق استتار میں غروب ہوگیا۔ یعنی اب بجائے تجلی کے استتار ہوگیا۔ جیسا کہ عارفین کو دونوں حالتیں پیش آتی ہیں۔ اور بعض مصالح اس میں تجلی سے بھی زیادہ ہوا کرتی ہیں۔ پس روزن قلب کی محاذات سے آفتاب فیض زیر افق جاگرا تو کتاب ہذا ختم ہوگی۔ ختم شد واللہ اعلم بالصواب۔ اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب اور مصلحت اور حکمت کس وقت کس چیز میں ہے۔ پس جب وہی جانتے ہیں اور حکمت کے موافق کرتے ہیں اور اس وقت انہوں نے ایسا کیا پس یقیناً اس میں حکمت ہے اس لئے میں بھی اتباع اس حال کا کرکے تکلف کلام کرنا نہیں چاہتا۔ اور مثنوی کو ختم کئے دیتا ہوں[1]

حضرت مرشدی نے اس مقام پر فائدہ کے تحت ایک تنبیہ تحریر فرمائی وہ یہ کہ عارف کو بحکم وقت کلام کرنا چاہئے جب طبیعت اپنی اور سامعین کی حاضر ہو[2] اور علوم و معارف کی آمد ہو اور اس میں اعتدال ہو کہ نہ بیان میں تکلف ہو اور نہ اتنا غلبہ ہو کہ ضبط سے خارج ہونے کا اندیشہ ہو اس وقت افادہ خلق میں مشغول ہو اور اسی وقت حضرت پر یہ شعر وارد ہوا ہے

گر بگوید بگو یگوئی و بجوش — ور بگوید مگو مگوئی و خموش[3]

---

[1] کلید مثنوی دفتر ششم [2] اور اگر سامعین دلچسپی اور توجہ سے سنیں تو اس کا اثر مقرر کی طبیعت پر پڑتا ہے بقول عارف رومی
صد سر ہزاراں طالب لمذ دیکے ملول۔ از رسالت باز مے ماند رسول [3] معرفت الہیہ ص ۱۷۹

حضرت تھانوی کا ارشاد حضرت فرمایا کرتے تھے جب کسی عالم کو بہت مزین لباس میں دیکھتا ہوں تو دل میں وسوسہ آتا ہے کہ یہ شخص خالی خولی ہے باطنی نعمت جس کے پاس ہوتی ہے وہ ظاہری نقش و نگار سے مستغنی ہو جاتا ہے [1]

عاقل کی تعریف ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اہل دنیا اہل دین کو بیوقوف سمجھتے ہیں۔ میں ان سے سوال کرتا ہوں۔ اچھا عقل کی تعریف کیا ہے۔ عقل کہتے کس کو ہیں؟ اہل دنیا بھی عاقل اسی کو کہتے ہیں جو عاقبت اندیش اور انجام بین ہو۔ کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نہایت بے وقوف ہے کہ اپنے کام کے انجام پر نگاہ نہیں رکھتا [2]

موت سے طبعی وحشت مضر نہیں حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات یاد پڑی۔ ارشاد فرمایا کہ موت سے طبعی گھبراہٹ کا ہونا ایمان کے منافی نہیں ہے۔ یہودیوں کو موت سے اعتقادی اور عقلی وحشت تھی اور ایمان والوں کو جو موت سے گھبراہٹ ہوتی ہے وہ اعتقادی اور عقلی نہیں ہوتی۔ البتہ حب اللہ اور رسول کی محبت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے تو بندہ جہاد کا متمنی ہو جاتا ہے [3]

ایک شعر کی ضروری اصلاح ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کی شان میں یہ شعر ؎

اگر بخشیں زہے قسمت نہ بخشیں تو شکایت کیا ٭ سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

ادب کے خلاف ہے اس میں دعویٰ ہے کہ عذاب جہنم کو ہم برداشت کر سکتے ہیں حالاں کہ اس کی ایک چنگاری سے نانی یاد آجائے گی۔ اس قسم کے مضامین اکثر بے تمیز شعراء گھڑا کرتے ہیں۔ بے صحبت کا آدمی بے ادب ہوتا ہے ادب تو ادب والوں سے آتا ہے ہم جب بندے ہیں تو ہمارے لئے صرف نیازمندی اور بندگی کی شان زیبا ہے ؎

زشت باشد روئے نازیبا و ناز   عیب باشد چشم نابینا و باز

روئے نازیبا کے لئے ناز برا ہے چشم نابینا کا کھلا رہنا عیب ہے

پھر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں ترمیم فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا۔

اگر بخشیں رہی یاری نہ بخشیں تو کروں زاری   کہ اس بندے کی خواری کیوں مزاج یار میں آئی

دنیا کی محبت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم موت کو بھولے رہتے ہیں۔

---

[1] معرفت الٰہیہ صـ ۱۸۰ [2] معرفت الٰہیہ صـ ۱۸۶ [3] معرفت الٰہیہ صـ ۲۱۹

مولانا سید سلیمان ندویؒ کا واقعہ مولانا سید سلیمان ندوی صاحب نے ایک بار حضرت مرشد پاک تھانویؒ سے عرض کیا کہ حضرت فقیری جس چیز کا نام ہے ؟ ارشاد فرمایا کہ فقیری نام ہے اپنے آپ کو مٹا دینے کا۔ یہ بات سن کر سید صاحب پر گریہ طاری ہو گیا۔ تمام سلوک اور تصوف کا حاصل یہی ہے کہ اپنے آپ کو مٹا دیا جائے۔

منتہائے سیر سالک شد فنا نیستی از خود بود عین البقاء[1]

حضرت تھانوی کا ایک واقعہ ایک بار حضرت رحمۃ اللہ علیہ سڑک سے بوقت صبح گذر رہے تھے۔ سرکاری بھنگی سڑک پر جھاڑو لگا رہا تھا۔ ایک عالم اور مخصوص رفیق نے آگے بڑھ کر مہتر سے کہا ذرا سی دیر کو ملتوی کر دو۔ تاکہ ہمارے حضرت گرد سے بچ جاویں۔ حضرت والا نے سن لیا اور فرمایا کہ آپ کو کیا حق ہے کہ اس کے سرکاری کام میں دخل دیں وہ اپنی ملازمت کا حق ادا کر رہا ہے۔ کیا آپ نے مجھ کو فرعون سمجھ لیا ہے۔ اللہ اکبر عجیب عبدیت کی شان تھی۔

مرشد تھانوی کی عبدیت اور فنائیت ہمارے مرشد پاک فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ میں اپنے آپ کو تمام مسلمانوں سے کمتر سمجھتا ہوں فی الحال۔ اور کافروں سے اپنے کو بدتر سمجھتا ہوں فی المال۔

یعنی ہر مسلمان کے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ چونکہ فی الحال ایمان کی نعمت موجود ہے اس لئے ممکن ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی عمل اللہ کے نزدیک ایسا محبوب ہو جو اس کی مقبولیت کا سبب ہو اور میرے ساتھ ممکن ہے کہ کوئی ایسا عمل موجود ہو جو اللہ کے نزدیک میری نامقبولیت کا سبب بن جاتے۔ پس اس کے استعمال کے ہوتے ہوئے ہمیں ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم کسی فاسق اور گنہگار مسلمان کو حقیر سمجھیں۔ اور اس سے اپنے آپ کو بہتر سمجھیں۔[2]

حدیث پڑھنے اور پڑھانے کا لطف ہمارے حضرت والا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حدیث پڑھنے کا لطف تو جب ہی آتا ہے جب کہ شاگرد بھی صاحب نسبت ہو اور استاد بھی صاحب نسبت ہو۔ طلباء میں جو عملی کوتاہیاں زیادہ بڑھتی جا رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس زمانہ میں طلبا صرف علم نبوت مدارس میں حاصل کر لیتے ہیں اور نور نبوت کو کسی صاحب نسبت بزرگ سے نہیں حاصل کرتے پس کیوں نہ دین ادھورا رہے۔[3]

صاحب الحزن بہت ترقی کرتا ہے حضرت مرشد فرمایا کرتے تھے کہ صاحب الحزن بہت جلد حق تعالیٰ کے راستہ کو قطع کرتا ہے۔ اور جب کسی سالک کا خط آتا کہ حضرت آج کل قبض باطنی سے دل غمگین رہتا ہے تو تحریر فرما دیتے کہ دلگیر نہ ہو۔ یہ حالت قبض منجملہ حالات رفیعہ سے ہے اگر ہمیشہ بسط کی حالت طاری رہے تو انسان عُجب اور

---

[1] معرفت الٰہیہ ص ۲۴۵ [2] معرفت الٰہیہ ص ۲۵۵ [3] معرفت الٰہیہ ص ۲۹۴

پندار میں مبتلا ہو جائے۔

لوازم بشریہ کا انفکاک کاملین سے بھی نہیں ہوتا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوازم بشریہ کا انفکاک کاملین سے بھی نہیں ہوتا۔ اسباب خوشی و رنج سے کاملین بھی متاثر ہوتے ہیں۔ ورنہ جو کیفیتیں طبائع بشریہ سے متعلق ہیں، مثلاً مسرت پر شکر، اور رنج پر صبر و رضا وغیرہ فوت ہو جائیں۔

پس ضرورت ہے کہ اب آپ کی تسلی فرما کر آپ کا غم بھلا دیا جائے۔ اور انبساط کے ساتھ کار خلافت کی انجام دہی میں لگ جائیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا آپ کا عصیان تو نسیان تھا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ کے قلب میں اس چوک کا ارادہ نہ تھا۔[1]

غفلت کے تالے غفلت کے تالے قلب کے ٹوٹ جاتے ہیں یہ وہی تالے ہوتے ہیں جن کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا۔ اے اللہ ہمارے دلوں کے تالوں کو کھول دیجیے۔ اب یہ طالب خود بھی نفس کو ہر سوراخ سے دیکھ لیتا ہے۔ اور ریا و تکبر کے اثر کو اپنے لب و لہجہ میں اپنی چال میں نشست و برخاست میں پہچان لیتا ہے۔ اور ہر وقت اپنے کو تراش خراش کا محتاج پاتا ہے اور مرتے دم تک اس کی نگرانی سے فرصت نہیں پاتا۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دمے آخر دمے فارغ مباش

اس مقام پر عارف جب نور بصیرت سے اپنے نفس کو مثل سانپ کے ہر سوراخ تن سے سر نکالتے ہوئے مشاہدہ کرتا ہے تو بے ساختہ بزبان حال کہہ اٹھتا ہے[2]

حضرت تھانوی کی تواضع حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے بڑا علم عطا کیا تھا۔ ایک بار ارشاد فرمانے لگے کہ اگر ایک ہزار دنیا کے عقلاء کسی مسئلہ پر اعتراض لے کر ایک طرف بیٹھے ہوں اور مجھے پانچ منٹ کا موقع دیا جاتے تو میں انشاء اللہ پانچ منٹ میں سب کو لاجواب کر دوں گا۔[3]

مسئلہ قضا و قدر ہمارے حضرت مرشد پاک رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ خیر اور شر نسبتیں ہیں۔ ایک خلق کی دوسرے کسب کی۔ خیر میں تو مراقبہ ان کی طرف کی نسبت کا کرے۔ کسب کا استحضار نہ کرے اور شر میں مراقبہ اپنی طرف کی نسبت کا کرے خلق کا نہ کرے۔ غرض خیر میں تو نسبت خلق کا متحضر کرو اور شر میں نسبت کسب کو متحضر کرو۔ یعنی ادب یہ ہی ہر خیر کی نسبت خدا کی طرف کرنا چاہیے۔ اور ہر شر کی نسبت اپنی طرف کرنی چاہیے

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ — اے انسان تجھ کو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہی وہ
وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ — محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہی اور جو کوئی بدحالی

---

[1] معرفت الٰہیہ ص ۲۸۸ [2] ایضاً ص ۳۱۳ [3] ایضاً ص ۳۱۵

پیش آوے وہ تیرے ہی سبب سے ہے۔

مغلوب الحال | مغلوب الحال کی مثال حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اطفال سے دیا کرتے تھے یعنی جس طرح بچے باپ کی داڑھی نوچ لیتے ہیں تو باپ کو ناگوار نہیں معلوم ہوتا بلکہ باپ کو بچے کا یہ شغل بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کوئی بالغ اولاد اس بچہ کی نقل شروع کر دے تو اس پر جوتے پڑ جاویں۔

منصور اور علماء وقت | اس وقت کے علماء نے حضرت منصور پر کفر کا فتویٰ نہیں صادر کیا تھا یہ بالکل غلط مشہور ہے۔ ہمارے حضرت مرشد پاک نے یہ تحقیق مثنوی شریف کے ایک شعر سے اخذ فرمائی مولانا روم فرماتے ہیں ؎

چوں قلم در دست غدارے رسید　　لاجرم منصور بر دارے رسید

بات یہ ہے کہ وزیر کو حضرت منصور سے عداوت ہو گئی تھی۔ اس نے ایک فرضی استفتاء علماء کے پاس بھیجا چونکہ علماء کے ذمہ تحقیق حال نہیں ہے۔ جو کچھ اس استفسار پر عداوت میں مضمون لکھ دیا تھا اس کے مطابق علماء نے فتویٰ دے دیا۔ علماء کو کیا معلوم کہ کس کے لیے یہ استفتاء طلب کیا گیا تھا۔[1]

کمال استغنا | ہمارے مرشد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹے بڑے نہ جانے کتنے منی آرڈر واپس کئے تھے ایک بار ایک لاکھ روپیہ ہدیہ قبول کرنے سے عذر فرما دیا۔ ذرا بھی جہاں دین کی توہین اور تحقیر کا شائبہ محسوس کرتے بڑے بڑے امراء مزاج درست فرما دیتے۔

دمزی اٹاوی نے خوب لکھا۔

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں　　ترے دستِ توکل میں تھیں استغناء کی تلواریں
جلال قیصری بخشا جمال خانقاہی کو　　سکھائے فقر کے آداب تو بادشاہی کو[2]

---

[1] معرفت الٰہیہ صد ۳۷۹ [2] ایضاً ص ۹۷

مولانا الطاف الرحمان بنوی

بابل کا نمرود

نمرود کی نسبی، حسبی اور تاریخی حیثیت کا جائزہ

آج سے ہزاروں سال[1] پہلے بابل (موجودہ عراق) دنیا کی اس عظیم الشان سلطنت کا پایہ تخت تھا جس کی سطوت وشوکت کی ہر طرف دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ نظم مملکت کی بھاگ ڈور ـــ تاریخ انسانی کے انتہائی متکبر وجبّار ـــ نمرود نامی ایک ایسی شخصیت کے ہاتھوں میں تھی جس نے اس وقت کے بابلی مذہب ـــ کوکب پرستی کے سب سے بڑے الٰہ ـــ آفتاب ـــ کی مظہریت اور زمینی نیابت کے پردے میں خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور رعیت کو اپنے مزعومہ آستانۂ جلال پر سجدہ کرنے کا حکم۔ مؤرخین بالعموم چار آدمیوں کو "ملوک الدنیا" کے نام سے یاد کرتے ہیں جن میں نمرود سرِفہرست ہے۔ نمرود کون تھا؟ اس سوال کے جواب میں متعدد اقوال منقول ہیں۔ کسی نے اس کو نمرود بن فالح بن عامر بن صالح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام بتایا ہے۔ اس کے علاوہ نمرود تا نوح علیہ السلام کے نسبی عمود کو اور بھی کئی طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] قرونِ اولیٰ کی کسی بھی شخصیت یا واقعہ کے زمانے کی صحیح اور قطعی تعیین دشوار ہی نہیں بلکہ قریباً قریباً ناممکن ہے۔ اس سلسلے میں توریت، تاریخ یا آثارِ قدیمہ کے مطالعہ سے جو بھی نتیجہ اخذ کیا جاتے۔ وہ کسی طور بھی حرفِ آخر کہلانے جانے کا مستحق نہیں۔ موجودہ توریت سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ خدا تعالیٰ کی کتاب نہیں بلکہ اسرائیلی زائغین ومحرفین کا مرتب کردہ وہ مشتبہ مجموعہ ہے جس میں خدائی متن اور انسانی شرح کا کوئی امتیاز نہیں بے شمار نقلی اور خارجی شواہد کے علاوہ اس کی عبادات اور مندرجات ہی میں بیسیوں وہ عقلی اور داخلی قرائن موجود ہیں۔ جو نہ صرف اس کی لاہوتی حیثیت کو چیلنج کرتی ہیں۔ بلکہ ساتھ ساتھ اس حقیقت کی غمازی بھی کرتی ہیں۔ کہ وہ کوئی یقین آفرین صحیفۂ آسمانی نہیں بلکہ پایۂ اعتبار سے ساقط ظن وتخمین کا پلندہ ہے۔

توریت کے بعد ان تاریخی دفاتر کا نمبر آتا ہے جن کا ماخذ توریت ہی یا اس سے بھی زیادہ غیر مستند وہ زبانی روایات ہوتی ہیں۔ جو سالہا سال تک ان غیر ذمہ دار لوگوں کی قصہ گوئیوں اور داستان سرائیوں کا حصہ رہ چکی ہوتی ہیں

جو نقل حکایت میں کسی قسم کا احتیاط برتنے کی کوئی پابندی محسوس نہیں کرتے۔ اندریں حالات صحیح سے صحیح تر واقعہ بھی اس تاریک دور سے سلامتی کے ساتھ گزر آنے کی کوئی ضمانت فراہم نہیں کرتا۔

آج کے ترقی یافتہ دور میں ماضی کے دریچوں میں جھانکنے اور تاریخی تحقیقات کے لئے آثارِ قدیمہ کے فنی جائزوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ بلاشبہ یہ طرزِ تحقیق انسانی علوم میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ نیز کسی واقعہ کے نفس وجود و عدم کی بابت اس کا فیصلہ ظنِ غالب پیدا کرنے میں مفید بھی۔ لیکن اوقات و ازمنہ کی تعیین میں اس کی راہنمائی پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ مانا کہ انسانی کاوشوں نے بہت سے ستبعداتِ عقلیہ کو روزمرہ کے عمومی معمولات کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ اور متحیر العقول کارنامے سرانجام دیئے ہیں لیکن اجسامِ طبیعہ کو متاثر کرنے والے لامتناہی عوامل اور ان کی اثر اندازی کی ٹھیک ٹھیک رفتار و مقدار معلوم کرنے کے لئے تا ہنوز کوئی ایسا معمل تیار نہیں ہو سکا ہے جو یقین تو کجا اس سے کم درجہ کا معتد بہ اطمینان پیدا کر سکے۔

لاتعداد تفصیلی امثلہ کو چھوڑیئے۔ مذکورہ بالا بیان کی توثیق کے لئے ایک ہی مثال پیشِ خدمت ہے جس سے ناواقف قارئین کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کے زمانۂ پیدائش کی تعیین میں توریت اور اکثر کتب تواریخ یک زبان نہیں۔ تاہم ان کے الگ الگ بیانات میں ناقابلِ تطبیق اختلافات کے باوجود یہ قدرِ مشترک فرض کیا جاسکتا ہے کہ یہ بقیع الوف زیادہ سے نو ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے لیکن تاریخ ہی کی بعض دوسری کتابوں یا آثارِ کہنہ کی شہادت اس کو اس سے بہت ہی پہلے کا واقعہ قرار دیتی ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب "الیواقیت و الجواہر" میں شیخ ابن العربی مالکیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بعض قدیم تاریخوں میں مذکور ہے کہ اہرامِ مصر کی تعمیر اس وقت ہوئی جب کہ "نسر" برج اسد اور ایک نسخے کے مطابق برج حمل میں تھا جب کہ ابھی جدی میں ہے۔ شیخ عبدالکریم شیخ اکبر کے اس کلام کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بات معلوم ہے کہ "نسر" کسی ایک برج سے دوسرے برج کی طرف تیس ہزار سال میں منتقل ہوتا ہے۔ علامہ جبلی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں دلو میں ہے۔ اس حساب سے "نسر" تعمیرِ اہرام سے لے کر اب تک دس برج قطع کئے ہیں جس میں کوئی تین لاکھ سال صرف ہوتے ہیں۔

اہرامِ مصر آج بھی فنِ تعمیر کا شاہکار نمونہ تصور کئے جاتے ہیں۔ اور دنیا کے عجائبات میں محسوب ہیں۔ ان کی تعمیر انسانی دورِ اولین میں نہیں بلکہ یقیناً اسی وقت ہوئی ہوگی جب کہ اس نے تہذیب و تمدن اور تعمیر و ترقی کے سینکڑوں مراحل طے کئے ہوں گے۔ تین لاکھ سال میں ان ارتقائی مراحل میں صرف ہونے والی تخمینی مدت کا اضافہ کیجئے یہی آغازِ انسانیت — پیدائش آدم علیہ السلام — کا زمانہ قرار پائے گا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

ابن جریر طبری اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ کہ

"ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ضحاک بن علوان ہی نمرود تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی کے زمانے میں پیدا ہوئے اور یہی تھا جس نے اُس کے جلانے کا قصد کیا تھا۔"

لیکن ابن اثیر نے اس قول کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نمرود نبطی نسب اور ضحاک فارسی النسل ہیں پھر دونوں ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔

ابن اثیر "الکامل" میں نمرود کو مستقل حکمران نہیں بلکہ ضحاک بن علوان کا عامل بتلاتا ہے۔ لیکن قرآنی ارشاد "ان اٰتٰہُ اللّٰہُ المُلکَ" میں لفظ "المُلک" اور اس کا انداز استعمال ان کی اس رائے کی کھلی تغلیط کرتا ہے۔ قرآن مجید کی تصریح ہے کہ اس نے ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم السلام کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ذات و وجود میں محض اس بنا پر مناظرہ کیا کہ رب تعالیٰ نے اس کو قدرت و حکومت عطا کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اقتدار و اختیار کے اس بلند مقام پر فائز تھا جس کے ہوتے ہوئے اس کو کسی دوسرے کی بڑائی کا اقرار تو کیا احساس تک نہیں رہا تھا۔ اصل بادشاہ اور صاحب اقتدار و اختیار کوئی اور ہو تو عامل کی طرف سے "اَنَا اُحیِی وَ اُمِیتُ" جیسی مطلق العنانی اور غیر معلق و مشروط تصرف کا دعویٰ بعید از قیاس ہے

"ملوک الدنیا" کے لقب سے معروف ان چار حکمرانوں یعنی نمرود۔ ذوالقرنین۔ بخت نصر اور حضرت سلیمان علیہ السلام میں سے اول الذکر کی بابت زیادہ سے زیادہ — کہ اس کا زمانہ سب سے قدیم تر ہے — اور آخر الذکر کے بارے میں کم سے کم — کہ اس کو تسخیر کائنات کی غیر معمولی قوتیں حاصل تھیں — یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ ازمنہ

بقیہ صہ ابن العربی کی محولہ تاریخ نے بنائے اہرام اور "نسر" کے اسد باحل میں ہونے کا یہ تعلق کہاں سے معلوم کیا اس میں عقلی احتمالات تو بے شمار ہو سکتے ہیں تاہم اصولی طور پر ان کی تحدید یوں ممکن ہے۔ کہ یا تو اہرام کی براہ راست اپنی تاریخ محفوظ ہو یا کسی غیر مسلسل منقطع سلسلۂ نقل سے ماخوذ یا اثریات سے مستفاد ہو۔ جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ پہلی صورت غیر واقع ہے۔ لہٰذا دوسری یا تیسری صورت متعین ہے۔ اب تخلیق آدم علیہ السلام کے زمانہ کی تعیین میں توریت اور اس کے قریب الخیال تواریخ و آثار کی بات مان لی جائے۔ یا قریب قریب اسی پایہ کی دوسری "تاریخوں اور جدید ترین اثریات جو علم ابنیات کی مدد سے انسانی تاریخ کی کھنگی کا پتہ چلاتی ہیں پر بھروسہ کیا جائے اور جو بھی صورت اختیار کی جاتی اس کی کوئی معقول وجہ ترجیح کیا ہوگی۔ نمرودی دور حکومت اور اس کے زمانہ عروج کی تعین میں تینوں علمی ذرائع — توریت اور تواریخ و اثریات — متفق الخیال نہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے کسی متعین عدد کی بجائے "ہزاروں سال" کا مبہم انداز اختیار کیا جو عرفاً قدامت کے ہر درجہ کے لئے یکساں طور پر استعمال ہوتا ہے۔

ماضیہ کے اُن قدیم ادوار میں جب کہ انسانیت — فی الوقت بڑی عمدہ اور ترقی یافتہ ہی سہی — نسبتاً ایک نہایت ہی تنگ و تاریک تمدن سے گزر رہی تھی۔ کیا عقلی طور پر یہ ممکن بھی ہے کہ ساری دنیا ایک وحدت میں سموئی ہوئی ہو جس کا مرکز دوسرے تمام اعضائے مملکت پر پوری طرح حاوی اور مسلّط ہو۔ ایک ایسے زمانے میں جب کہ گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں کے سوا مواصلات اور نقل و حمل کا کوئی انتظام نہ تھا۔ نمرود مذہبی پیشوائی اور سیاسی فرماں روائی دونوں کا جامع تھا۔ اس دوہری حیثیت سے جہاں اس کی ذمہ داریاں اس حد تک بڑھتی ہیں جنہیں پورا کرنے کے لئے اس وقت کے مروجہ وسائل قطعاً ناکافی تھے۔ وہاں اس کی ذات کی اس بے سروسامانی کے باوجود یہ ہمہ جہتی مرکزیت اس خدشے کو بھی جنم دیتی ہے کہ چار دانگ عالم کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی دور دراز کی ساری آبادیاں — انسان کے فطری جذبۂ آزادی و حریت کے باوصف اس کے جابرانہ کنٹرول میں کیونکر ایسی جکڑی ہوئی تھیں کہ اس کے دورِ حکومت کے طول طویل زمانے میں کسی کو بھی اس مغرور مقتدر سے سرتابی کی جرات نہ ہوئی۔

یہی وہ عقلی پیچیدگی اور الجھن ہے جس کی وجہ سے ملوک الدنیا کی اس تاریخی روایت کو حقیقت کی بجائے ایک مفروضہ سمجھا جا رہا ہے۔ اور بلاشبہ اپنے ظاہری معنی میں مفروضہ ہی ہے تاہم اس کی تصحیح کی کوششوں میں کئی توجیہات کی گئی ہیں۔ مثلاً پہلی توجیہہ وہ کہ جس میں عمرانیات کی مدد سے لفظ دنیا کو — اس وسیع مفہوم میں جو آج کل اصطلاح میں متبادر ہے کاٹ کر — ایک ایسے معنی پر حمل کیا گیا ہے جس سے یہ استبعاد خود بخود زائل ہو جاتا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ابھی ہی طوفانِ نوح علیہ السلام کی ہولناکیاں تمام انسانی بستیوں کو نابود کر چکی تھیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ہمراہ کشتی میں سوار بمشکل کتنی نفوس زندہ بچ رہے تھے جو یقیناً ایک لمبے عرصے تک عذاب کی دہشت اور ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات میں تنہائی کی وحشت سے بےخود اور سراسیمہ ہوتے ہوں گے۔ نسل انسانی کا باقاعدہ تسلسل جاری ہو جانے میں خدا معلوم کتنا عرصہ لگ ہو چکا ہو گا اور پھر اس کی شرح افزائش کیا ہو گی۔ ابن خلدون نے "کتاب البدء" کے حوالے سے نمرود کو نوح علیہ السلام کے بعد پانچویں پشت میں قرار دیا ہے۔ اس مختصر سی مدت میں نسل انسانی اور اس کی آبادیاں جس کی حد تک بڑھنے اور پھیلنے کا امکان ہے اسی کا تصور نمرود کے "ملک الدنیا" ہونے کا ایک قابلِ قبول نقشہ متعین کرتا ہے۔

یہ توجیہہ بظاہر اشکال کو حل کرتی نظر آتی ہے۔ لیکن دو وجہ سے مخدوش قرار پاتی ہے۔ اولاً یہ کہ اس میں نمرودی کی عالمی حکمرانی کو ممکن الوقوع بنانے کے لئے تقلیل و تضییق معمورہ کی جو سعی کی گئی ہے وہ جبھی کامیاب ہو سکتی ہے جب کہ طوفان نوح علیہ السلام کو عام مان لیا جائے۔ حالاں کہ اس کی عمومیت

مشکوک اور غیر قطعی ہے۔ ثانیاً یہ کہ جن تاریخوں نے نمرود کو ملک الدنیا ہونے کا اعزاز بخشا ہے انہیں کی بعض دوسری روایات اسی کے ہم عصر کئی ایسے دوسرے بادشاہوں کا پتہ بھی دیتی ہیں جن کے اس کے زیر اقتدار اور تحت الحکم ہونے کا کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں۔

نمرود کے ملک الدنیا ہونے کی دوسری اور بالکل بے غبار توجیہ یوں ممکن ہے۔ کہ اگرچہ دنیا کے مختلف خطوں اور نسلوں میں اس کی معاصر اور بھی حکومتیں موجود تھیں جو اس کی باجگذار نہیں بلکہ آزاد و خود مختار تھیں لیکن وہ سب بابل کی مضبوط، محکم اور منظم نمرودی حکومت کے مقابلے میں ہیچ اور کالعدم تھیں۔ گویا کہ اقویٰ میں منحصر مانا گیا۔

غرض کسی بھی طور ملک الدنیا کا اطلاق مجاز سے خالی نہیں۔ پہلی توجیہہ لفظ "دنیا"[1] اور دوسری لفظ "ملک" میں تصرف پر مبنی ہے۔

بہرحال سبی اور تاریخی لحاظ سے نمرود کوئی اور کچھ بھی تھا حسبی لحاظ سے فساد آدمیت کا بدترین نمونہ پیش کر رہا تھا وہ حدود عبودیت سے نکل نکل کر معبودیت کے حدود میں دخل اندازیاں کر رہا تھا۔ اور کسی کی محکومیت کی بجائے ہر جگہ اپنی حاکمیت مطلقہ کے جھنڈے گاڑ رہا تھا۔ مادی وسائل کی بہتات، اسباب تعیش کی فراوانی اور عسکری قہر و قوت کی برتری نے اس کی حیوانی خصلتوں میں اشتعال و انگیخت پیدا کر دیا تھا جس کی تپش و حرارت نے اس کے فہم و شعور اور تمام انسانی ملکات کو بھسم کر ڈالا تھا۔

[1] اہل علم کی تسلی و تشفی کے لئے واضح ہو کہ اس توجیہہ میں لفظ دنیا کا تجوز "رعایت معنی عند المتکلم" کے مطابق ہے۔ نہیں تو حالت اعتبار الحکم کے لحاظ سے حقیقت بنے گی۔ علاوہ ازیں اس لفظ میں اس مجاز سے پہلے ایک اور مجاز بھی موجود ہے۔ جو کثرت و قرع کی وجہ سے حقیقت کا روپ دھارے ہوئے ہے۔ فنون ادبیہ سے دلچسپی رکھنے والے قارئین خود ہی سوچ لیں۔
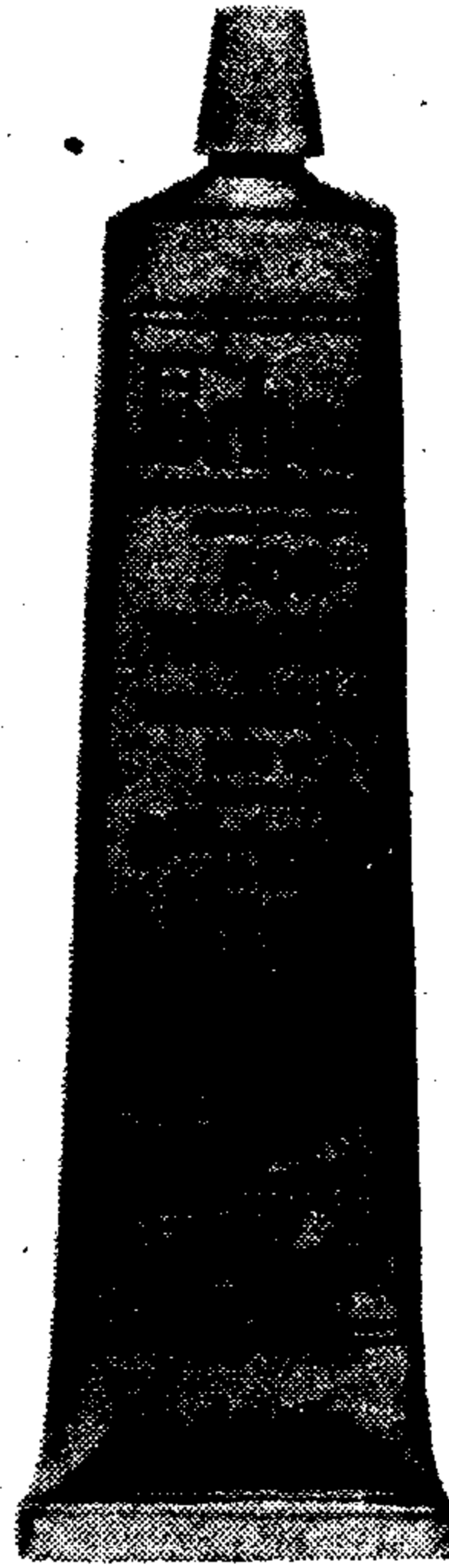
مرتب۔ مولانا عبدالرشید بھلن شریف۔ ضلع مظفر نگر

تصوّف وسلوک
ملفوظات مشائخ کرام
دنیا میں زندگی بسر کرنے کا اچھا طریقہ

حضرت مولانا و مرشدنا خواجہ محمد نقشبند ثانی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وائے حسرت! دنیا میں مسرت وخوشی کیسے ہو سکتی ہے۔ اور فراغت وجمعیت کیسے مل سکتی ہے جب کہ بندوں کو یہ معاملہ پیش آنے والا ہے۔

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (الشوریٰ آیت)

ترجمہ (قیامت کے دن) ایک جماعت جنت میں ہوگی۔ اور ایک جماعت دوزخ میں ہوگی۔

اب قرار وآرام کس کی عادت بن سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔

۱۔ میرے بیٹے! ہمیشہ اللہ تعالیٰ واحد القہار کے حضور میں تضرع وزاری کرتے رہیں اور ہمیشہ استغفار کیا کریں۔

۲۔ کم کھانا۔ کم سونا۔ کم بولنا۔ کثرت سے نفلی روزے رکھنا۔ رات کو عبادت کرنا اور تہجد کی نماز پڑھنا اور اللہ جبار کے عذاب کا خوف رکھنا، لازم جانیں۔

۳۔ حفظِ اوقات بھی ضروری جانیں (تاکہ کوئی لمحہ عمر عزیز کا غفلت میں ضائع نہ ہو جائے)

۴۔ سب (ظاہری وباطنی) گناہوں کو ترک کر دیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مراقبے کو لازم جانیں۔ باطن کو گناہوں اور برائیوں کے میل کچیل سے پاک وصاف رکھیں۔ اور اسے ذکر اذکار وافکار سے منور کریں۔

۵۔ اعلیٰ اخلاق اور عمدہ اوصاف والی مجلسوں میں رہنا لازم جانیں۔

۶۔ بلاو مصیبت پر صبر کریں اور نعمتوں کے عطا ہونے پر شکر کریں۔

۷۔ خلق کی ایذا رسانی پر تحمل کریں اور حُسنِ خُلق کو لازم جانیں۔

۸۔ حضرات علماء صلحاء اور فقراء کے ساتھ میل جول رکھیں۔ جاہلوں اور بے وقوفوں کے ساتھ میل جول ترک

کریں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (الکھف آیت ۲۸)

ترجمہ: اور تو ان لوگوں کی صحبت میں رہ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

۹۔ دوسروں کے ساتھ محبت و بغض صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے رکھیں۔

۱۰۔ دوسروں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے ان کو منع کرتے رہیں۔

۱۱۔ بخشش، سخاوت اور تقرب الی اللہ کو لازم جانیں۔ سب امور میں اللہ تعالیٰ پر توکل کریں۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت کریں۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کے سب حکموں کی تعظیم کریں۔

۱۴۔ ہمیشہ اپنے عیبوں اور گناہوں پر نظر رکھیں۔ اللہ تعالیٰ سے پوری طرح شرم و حیا کریں (گناہوں سے رکے رہیں) کوشش کرکے اپنے نفس کی برائیوں سے بچیں۔

۱۵۔ دین کے انوار قدسیہ کی بقا کا خیال رکھیں۔

۱۶۔ جو شخص تجھ پر ظلم کرے اسے معاف کردیں۔

۱۷۔ جو شخص تجھ سے تعلق توڑے اس کے ساتھ تعلق جوڑیں۔

۱۸۔ اپنے گھر والوں کو نان نفقہ اچھی طرح دیں۔

۱۹۔ اپنے ہاتھوں کو برائی سے روکے رکھیں۔

۲۰۔ اپنی زبان کو فضول اور بے ہودہ کلام سے بند رکھیں۔

۲۱۔ جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند کریں۔

(ماخوذ و ترجمہ از فارسی مکتوب ۲۴۵۔ حصہ اول)

۲۲۔ لہو و لعب سے دور رہیں۔ جھوٹ، غیبت، بدکلامی، بری باتوں اور گانوں کے سننے سے پرہیز لازم جانیں کیونکہ یہ سب کام حرام ہیں۔ اور ان کی جزا دوزخ کی آگ ہے۔

(از مکتوب ۶۵۔ حصہ اول)

۲۳۔ اپنے بے خلل و بے فتور صحت و بیماری کی حالت میں پنجگانہ نمازیں ادا کرنی چاہئیں۔ اگر بیمار کو پانی کے استعمال کی طاقت نہ ہو تو وضو اور غسل کے بجائے تیمم کرلے۔ اگر کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے اور عورت کو لازم ہے کہ نماز میں سر سے قدموں تک موٹی چادر سے اپنے بدن کو ڈھانکے۔ تاکہ بدن اور بالوں میں کوئی چیز ظاہر نہ ہو۔ اور جو نمازیں قضا ہو گئی ہوں ان کی قضا لازم ہے۔